بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ

مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۴۱ شمارہ ۱۲

دسمبر ۲۰۱۷ء

ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

مجلس ادارت

مدیرِ اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 250 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشـــــــمــــــــــولات

مجلس شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ۲۴؍ویں فقہی سیمینار کی تفصیلات

اداریــــــــہ	جامعہ اشرفیہ میں مجلسِ شرعی کا سیمینار	مبارک حسین مصباحی	(۳)
اظہارِ افسوس	مفتی محمد ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ	علامہ عبد الحفیظ عزیزی	(۶)

------------خطبات------------

خوش آمدید	خطبۂ استقبالیہ	علامہ عبد الحفیظ عزیزی	(۷)
دعوتِ فکر	خطبۂ صدارت	علامہ محمد احمد مصباحی	(۸)

------------تیئیسویں سیمینار کے فیصلے------------

فیصلے	مجلس شرعی کے فیصلے	مفتی محمد نظام الدین رضوی	(۱۱)

------------شرکاے سیمینار------------

چشم دید	اصحاب مقالات و شرکاے سیمینار	مولانا جنید احمد مصباحی	(۲۱)

------------تلخیصات------------

خلاصۂ مقالات	بینک گارنٹی لیٹر شرعی نقطۂ نظر سے	مولانا محمد ساجد علی مصباحی	(۲۴)
خلاصۂ مقالات	بینک اکاؤنٹ میں رقوم کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں	مولانا محمد صدر الوریٰ قادری	(۳۷)
خلاصۂ مقالات	ای کامرس شرعی نقطۂ نظر سے	مولانا دستگیر عالم مصباحی	(۵۲)
خلاصۂ مقالات	انتفاع کی شرط کے ساتھ دُکان و مکان وغیرہ کا رہن شرعی نقطۂ نظر سے	مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی	(۶۰)

------------تاثرات------------

منظر نامہ	تاثراتِ علماے کرام	مولانا جنید احمد مصباحی	(۶۸)
یادیں	حضرت مولانا مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ	مولانا مبارک حسین مصباحی	(۷۱)

خصوصی گوشہ حضرت مولانا نور الھدیٰ مصباحی علیہ الرحمہ

مولانا نور الہدیٰ مصباحی علما و مشائخ کی نظر میں	مولانا نور الہدیٰ مصباحی	(۷۶)
مولانا نور الہدیٰ مصباحی ایک ہر دل عزیز عالمِ دین	مولانا محمد نظام الدین قادر	(۷۹)
فخرِ ملت ایک عظیم دینی و ملی شخصیت	مولانا صادق علی قادری علیمی مصباحی	(۸۱)
مولانا نور الہدیٰ مصباحی اور ان کی تدریسی خدمات	مولانا علی احمد بسمل عزیزی	(۸۲)
مولانا نور الہدیٰ مصباحی کچھ یادیں کچھ باتیں	مولانا محب احمد قادری علیمی	(۸۳)
آہ مولانا نور الہدیٰ مصباحی	مولانا سراج احمد مصباحی	(۸۴)
اتحادِ اہلِ سنت میں فخرِ ملت کی کاوشیں	مولانا فیاض احمد مصباحی	(۸۵)
مولانا نور الہدیٰ مصباحی کی موت عظیم سانحہ	مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی	(۸۶)
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے	مولانا غیاث الدین احمد عارف مصباحی	(۸۷)
مناقب مولانا نور الہدیٰ مصباحی	آفتاب عالم گوہر قادری/ازہر القادری/ندیم سلطان پوری/سلمان رضا فریدی مصباحی	(۸۸)

اداریہ

جامعہ اشرفیہ میں مجلسِ شرعی کا فقہی سیمینار

مبارک حسین مصباحی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور خاکِ ہند کی عظیم ترین درس گاہ ہے۔ یہ اپنی وسیع اور عظیم خدمات کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک مشہور اور مقبول ہے۔ تعلیم و تربیت، تحقیق و تصنیف اور دعوت و تبلیغ کے گوشوں میں اس کی وقیع کارگزاریاں ہیں۔ ایک انتہائی اہم شعبہ "مجلس شرعی" ہے۔ مجلسِ شرعی کے سرپرست ہیں امینِ ملت حضرت سید شاہ محمد امین قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ عزیزی، سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔ منصبِ صدارت پر فائز ہیں صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، جب کہ نظامت فرمارہے ہیں سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ اور چند علماے کرام اور مفتیانِ عظام اس کے سرگرم ممبر ہیں۔

امسال ۱۷/۱۸/۱۹/ صفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۷/۸/۹/ نومبر ۲۰۱۷ء میں چوبیسواں فقہی سیمینار ہوا، اس اہم سیمینار کا انعقاد امام احمد رضا لائبریری کے سیمینار ہال میں ہوا۔ سیمینار میں ایک سو تیرہ [۱۱۳] اکابر و اصاغر نے شرکت فرمائی۔ سیمینار کی نشستوں کی نظامت کے فرائض حضرت سراج الفقہا نے بہ حسن و خوبی انجام دیے۔ نشستوں کا آغاز قرآن عظیم کی تلاوت اور مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی نعتوں سے ہوتا رہا۔

سیمینار کے آغاز میں ناظمِ سیمینار نے ایک معلومات افزا خطبۂ نظامت پیش کیا اور انتہائی ادب و احترام کے ساتھ پہلی نشست کے صدر جانشین حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ کا اسمِ گرامی پیش فرمایا۔ حضرت عزیز ملت نے خطبہ استقبالیہ پیش فرمایا۔ آپ نے سیمینار کے شرکا کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: "ہماری کوشش رہتی ہے کہ آپ کی آمد و رفت، قیام و ضیافت کا بہتر سے بہتر انتظام کریں، لیکن آپ حضرات کے شایانِ شان ایسا ہو نہیں ہو پاتا جس کے لیے ہم پیشگی معذرت کرتے ہیں۔"

حضرت عزیز ملت نے موجودہ سیمینار کی اہمیت و افادیت پر مختصر روشنی ڈالی، مسلمانوں کے موجودہ تعلیمی، ملی اور اقتصادی مسائل پر اظہار فرمایا، آپ نے فرمایا: "اس وقت مرکزی حکومت قومِ مسلم کو پریشان کرنے کے لیے بیک نشست تین طلاق کا مسئلہ کھڑا کیے ہوئے ہے، بابری مسجد کا مسئلہ پھر سامنے لایا جا رہا ہے، ہمیں ان تمام مسائل پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔"

مجلسِ شرعی کے صدر صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ نے خطبۂ صدارت پیش فرمایا، آپ ایک بلند پایہ عالم ربانی، فکر و فن کے تاجدار اور ایک تجربہ کار استاذ الاساتذہ ہیں۔ آپ بولنے کے ساتھ تحریر و تصنیف میں بھی یکتائے روزگار ہیں، آپ مختلف دینی علوم و فنون پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں مجلسِ شرعی کی خدمات پر گہری اور اجمالی نگاہ ڈالی اور اسی کے ساتھ پیشِ نظر حل ہونے والے مسائل پر بھی خصوصی توجہ فرمائی۔ اس بار شریک علماے کرام اور مفتیانِ عظام کو تبریکات سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے اہلِ مغرب کی اسلام دشمن سازشوں پر بھی غم و غصے کا اظہار فرمایا۔ آپ نے حرکت استشراق اور مستشرقین کی فتنہ انگیزیوں کو بھی اجاگر فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ: "فار مولا یہ ہے کہ یہودی، نصرانی، قادیانی، ہندو، سکھ، بدھشٹ وغیرہ سب اہل جنت ہیں، انسانوں کے کسی طبقے کو بھی کافر کہنے کی اجازت نہیں۔" حضرت نے اپنے صدارتی خطبہ میں مزید فرمایا: "حضرات علماے کرام! آپ کے ہاتھوں میں کشتیِ ملت کی نگہبانی ہے اس لیے ہر طرح کے فتنوں سے ہمہ دم ہوشیار رہنے اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کی بے دریغ کوشش آپ پر فرض ہے۔"

بینک گارنٹی لیٹر کا شرعی حکم:

پہلی نشست کا آغاز ۷/ نومبر ۲۰۱۷ء کو بعدِ مغرب ہوا۔ زیرِ بحث موضوع کا سوال نامہ مفتی ناصر حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے

مرتب فرمایا۔ یہ سوال نامہ مدعو حضرات کی بارگاہوں میں ارسال کیا گیا، علما اور فقہا نے مختلف جہتوں کے مقالات ارسال فرمائے، حضرت مولانا ساجد علی مصباحی استاذ جامعہ نے ان مقالات کی تلخیص نوٹ فرمائی اور پہلی نشست میں خلاصۂ مقالات پیش کیا۔ حضرت سراج الفقہا کی پر زور نظامت میں موضوع کے تمام گوشوں پر بحثیں ہوئیں اور آخر میں موضوع سے متعلق فیصلہ مرتب ہوا۔ حضرت سراج الفقہا نے حسب ذیل تلخیص مرتب فرمائی۔ ہم دیگر فیصلوں کی تلخیصات بھی حضرت ہی کے قلم سے نقل کریں گے:

”بڑے بڑے کاروبار اور ٹھیکے میں بینک ”گارنٹی لیٹر“ جاری کرتا ہے اس کی شرعی حیثیت ضمانت کی ہے جو جائز ہے اور اپنی خدمات (سروسز) کے عوض جو فیس لیتا ہے اس کی شرعی حیثیت اجرت کی ہے یہ بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم“

بینک اکاؤنٹ میں رقوم کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں؟

۸ر نومبر ۲۰۱۷ء صبح دوسری نشست کا آغاز ہوا، اس نشست کی صدارت حضرت مبلغ اہل سنت حضرت مولانا عبد المبین قادری نعمانی مہتمم دار العلوم قادریہ چریاکوٹ نے فرمائی۔ سوال نامہ کی ترتیب حضرت مولانا مفتی بدر عالم مصباحی استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ نے فرمائی، ملک کے کثیر اہل علم اور اہل افتا کی بارگاہوں میں ارسال کیے گئے، بائیس ارباب تحقیق اور مفتیان عظام نے مختلف حیثیتوں کی تحریریں ارسال فرمائیں، جن کی تلخیص حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری استاذ جامعہ نے مرتب فرمائی۔ مختلف گوشوں پر سیر حاصل مذاکرے ہوئے اور آخر میں اہم فیصلہ سامنے آیا، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے:

”(الف) بینک اکاؤنٹ یا لیجر بک میں رقوم کا اندراج اصل مذہب کے لحاظ سے قبضہ نہیں لیکن اب کیش لیس کے رائج نظام، عرف عام اور حاجت شرعی کی بنا پر اس کو حکماً قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے لہٰذا قرض خواہ یا کسی دوست یا فقیر کے کھاتے میں روپے جمع کرنے سے قرض ادا ہو جائے گا اور ہبہ اور تصدق مفید ملک ہوگا۔

اس طرح کے امور میں بینک کے متعلقہ عملہ کی حیثیت وکیل قبض کی ہے تو اس طور پر اکاؤنٹ میں اندراج قبضے کا مظہر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ب) انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن جو سامان خریدے جاتے، پھر ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی بار بار خریداروں کی طرف سے بیچے جاتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ پہلی بیع جو سامان کے اصل مالک و قابض کی طرف سے ہوتی ہے جائز و درست ہے اور اس کے بعد خریداروں کی بیع در بیع بھی جائز ہی ہے کہ ان بیعوں میں بیع کی ذات (مثلاً یہ گھڑی) متعین نہیں اور بائع مطلوبہ کمپنی، ماڈل، سائز، کلر کا ویسا ہی سامان کبھی بھی دے سکتا ہے اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے، البتہ آن لائن خرید و فروخت میں چوں کہ خریدار نے اصل چیز دیکھی نہیں ہوتی ہے، اس لیے سامان دیکھنے کے بعد پسند نہ آئے یا کوئی عیب نظر آئے تو اسے واپس کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم“

انتفاع کی شرط کے ساتھ دوکان، مکان وغیرہ کا رھن:

۸ر نومبر ۲۰۱۷ء کو مغرب کی نماز کے بعد تیسری نشست کا آغاز ہوا، اس نشست کی صدارت رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی بانی و مہتمم دار القلم نئی دہلی نے فرمائی۔ سوال نامہ حضرت مفتی ناصر حسین مصباحی نے مرتب فرمایا، ملک کے کثیر ارباب تحقیق اور مفتیان کرام کی بارگاہوں میں سوال نامہ جاری کیا گیا، جن میں چالیس اہل قلم نے مختلف حیثیتوں کی تحریریں ارسال فرمائیں، جن کی تلخیص حضرت مولانا محمود علی مشاہدی استاذ جامعہ اشرفیہ نے فرمائی، سوال نامے کے مختلف گوشوں پر زبردست بحثیں ہوئیں اور پھر حضرت سراج الفقہا کی محققانہ نظامت میں فیصلہ باتفاق رائے مرتب ہوا، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے:

”ایک عرصے سے لوگوں میں یہ رائج ہے کہ لمبی لمبی رقوم قرض لے کر قرض خواہ کے پاس دکان یا مکان گروی رکھ دیتے ہیں اور وہ اس دکان یا مکان سے فائدہ اٹھاتا ہے یہ صورت قرض و سود کی ہے، جو حرام و گناہ ہے، اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ جتنے روپے کی حاجت ہو اسے مکان کے ماہانہ کرایے پر تقسیم کر دیں مثلاً بارہ ہزار روپے کے عوض مکان یا دکان اجارے پر دیں اور یہ طے کر دیں کہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار روپے ہوگا پھر بارہ ماہ پورے ہونے پر مکان، دکان واپس کر دے، یہ معاملہ اجارے کا ہے جو جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم“

ای-کامرس ٹریڈنگ کا حکم:

۹ر نومبر ۲۰۱۷ء کو صبح چوتھی نشست کا آغاز ہوا، اس نشست کی صدارت صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے فرمائی، سوال نامے کی ترتیب کا کام حضرت مولانا حسیب اختر مصباحی صدر شعبۂ کمپیوٹر و استاذ انگریزی جامعہ اشرفیہ نے کیا، سوال نامے کے

مختلف نکات پر دیر تک گفتگو ہوئی، جب سب حضرات مطمئن ہو گئے تو صدر محترم کے حکم پر فیصلہ نوٹ ہوا، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے:

آن لائن تجارت کو ای کامرس ٹریڈنگ کہتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں جن کے احکام الگ الگ درج ہیں:

ڈراپ شیپنگ: اس صورت میں سامان ریٹیلر کے پاس موجود نہیں ہوتا پھر وہ سامان بیچ دیتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ جو سامان اپنے ملک میں نہ ہو اسے بیچنا ناجائز ہے اس لیے ایسے شخص سے ہرگز سامان نہ خریدیں اور نہ ریٹیلر بیچے، اسے چاہیے کہ کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے اس کا سامان بیچے اس صورت میں اس کا بیچنا اور دوسرے کا اس سے خریدنا جائز ہوگا اور یہ ریٹیلر اپنے کام کے عوض مقررہ اجرت کا بھی حقدار ہوگا۔

بزنس ٹو کنزیومرس: اس صورت میں کمپنی جو سامان فروخت کرتی ہے وہ اس کے اسٹاک میں موجود ہوتا ہے، اس لیے اس کا بیچنا اور صارفین کا اس کا خریدنا، جائز ہے، ہاں! یہ لحاظ ضروری ہے کہ مشتری کسی معتمد و ذمہ دار کمپنی سے ہی اس طرح کا معاملہ کرے، اس بیع میں مشتری کو خیار عیب و خیار رویت بھی حاصل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بزنس ٹو بزنس: سامان بنانے والی کمپنی کا ڈسٹری بیوٹر سے، اور اس کا ہول سیلر سے، اور ہول سیلر کا ریٹیلر سے فروخت کرنا جائز ہے۔

کنزیومرس ٹو کنزیومرس: یہ معاملہ بھی جائز ہے اور سائٹ کا مالک جو پیسے کماتا ہے وہ اس کے اشتہار کی اجرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کنزیومرس ٹو بزنس: یہ معاملہ عقد اجارہ ہے، پروجیکٹ میں اگر کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے لیے کام کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس کے بعد نشست میں چند علمائے کرام نے اپنے گراں قدر تاثرات پیش فرمائے۔

حضرت شراج الفقہا نے پہلا نام مدرسہ عربیہ سلطان پور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا منظور احمد خاں عزیزی نے اپنا اہم تاثر پیش کیا جس میں سیمینار کی اہمیت افادیت پر روشنی ڈالی اور دوسری اہم چیز بیان فرماتے ہوئے کہا: "یہودی دنیا یہ چاہتی ہے کہ مدارس سے تدین ختم ہو جائے، وہ چاہتے ہیں کہ مدارس بھی دنیاداری ہی کی تعلیم دیں۔ اس لیے ہم سب کی ذمہ داری ہے، ہم جہاں بھی رہیں اپنے اپنے طور پر کام کریں۔"

قائدِ ملت حضرت مفتی عبد المنان کلیمی بڑی گوناگوں خوبیوں کی حامل شخصیت ہے۔ آپ نے اپنے تاثر میں مجلس شرعی، مجلسِ برکات اور مسلکِ اعلیٰ حضرت پر بھرپور روشنی ڈالی اور اپنے منفرد انداز اور مؤثر ترین لب ولہجہ سے پوری نشست پر چھا گئے۔

حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی نے اپنے تاثر میں فرمایا: "یہ اشرفیہ کی عظمت کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی حیثیت سے سارے مذہبی علمی حلقوں کا مرکز توجہ ہمارا جامعہ اشرفیہ ہے۔ اس کی عظمت و فضیلت کے اظہار کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس کا ماضی، حال سب کچھ کچھوچھہ مقدسہ، مارہرہ مطہرہ اور بریلی شریف کی برکتوں کا جامع ہے۔"

سرپرست مجلس شرعی عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے الوداعیہ پیش فرمایا۔ آپ نے تمام شرکا کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا فرمایا اور ان کے سفر کی صعوبتیں اور مشکلیں بیان فرمائیں۔ نیز مجلسِ شرعی کی جانب سے میزبانی کی کوتاہیوں کا بھی ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ حضرات نے یہ ساری پریشانیاں دین و مذہب کے مشکل ترین مسائل کو حل کرنے کے لیے برداشت فرمائیں۔ حقیقی جزا دینے والا رب العالمین ہے، آپ نے آخر میں فرمایا:

"یہ آپ لوگوں کی آمد اور ہمارا حوصلہ بڑھانے کی دین ہے کہ یہ مجلس اس مقام تک پہنچ چکی ہے، اگر آپ ساتھ نہ دیتے تو ہم یہاں نہ پہنچ پاتے، بہر حال یہ آپ حضرات کا خلوص اور دینی و ملی درد ہے کہ آپ تشریف لاتے ہیں، ہم اس کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی جد و جہد اور دینی خدمات کو قبول فرمائے، جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ رکھے، علم و عمل میں اضافہ فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔"

ہم آخر میں مجلسِ شرعی کی جانب سے ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن حضرات نے کسی بھی حیثیت سے چوبیسویں فقہی سیمینار کی مدد فرمائی، خاص طور پر حضرت مفتی محمد ناصر حسین مصباحی، حضرت مولانا محمد عرفان عالم مصباحی بے شمار تبریکات کے مستحق ہیں اور آخر میں ہم محترم المقام ماسٹر فیاض احمد عزیزی اور ان کے عملے کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے مہمانوں کے قیام و طعام کا بھرپور خیال رکھا۔ امید ہے کہ انشاء اللہ یہ سیمینار آئندہ بھی اسی طرح ہوتا رہے گا۔

مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ

ربِ قدیر جامعہ قادریہ پونہ کو ان کا بدل عطا فرمائے

از: عزیز ملت حضرت علامہ شاہ **عبدالحفیظ عزیزی**، سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

۱۷ر نومبر ۲۰۱۷ء رات کے دو بج رہے تھے، میں سو رہا تھا، اچانک موبائل کی گھنٹی بجی، آنکھ کھل گئی، سوچا کوئی اہم معاملہ ضرور ہے، موبائل کان سے لگایا، محبِ گرامی مولانا نوشاد عالم مصباحی صاحب کی آواز آئی، حضرت میں لٹ گیا، برباد ہو گیا، اب مولانا ایاز دنیا میں نہیں رہے۔ سن کر سکتہ طاری ہو گیا، نیند اچٹ گئی، انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ فجر کی نماز کے بعد ان کے بھائی ماسٹر فیاض احمد عزیزی صاحب کی رُندھی آواز آئی، مولانا ایاز احمد صاحب کا انتقال ہو گیا، یہ رندھی آواز اس سے پہلے جب حضرت شارحِ بخاری علیہ الرحمہ کا وصال ہوا تھا، سنائی دی تھی۔ میں نے انھیں تسلی دی، صبر کی تلقین کی۔ ماسٹر صاحب اور ان کے عزیز تدفین میں شرکت کے لیے کلکتہ روانہ ہو گئے، میں اپنی مجبوری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا، ادارہ ہی میں مرحوم کے لیے قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کر دیا۔

اس دارِ فانی سے سبھی کو کوچ کرنا ہے، کچھ جاتے ہیں تو انھیں زمانہ بھول جاتا ہے، لیکن کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی دینی و ملی خدمات اور کارنامے انھیں زندہ رکھتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک شخصیت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ کی ہے جو فعال و متحرک، پر وقار، باصلاحیت عالمِ دین مخلص و وفادار مصباحی تھے، جنھوں نے مسلک حقہ (مسلک اعلیٰ حضرت) کی ترویج و اشاعت میں پوری زندگی گزار دی، یہ فیضان الجامعۃ الاشرفیہ اور اس کے بانی حافظ ملت علیہ الرحمہ کا ہے جو موصوف نے اپنے مربیوں کی تعلیمات کی روشنی میں سرزمین پونہ پر دینی و ملی خدمات انجام دیں۔ مخالفتوں کے باوجود اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے اور پیغامِ محبت سناتے رہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

حضرت مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی صاحب کی سرپرستی اور مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے اہتمام میں جامعہ قادریہ کونڈوا، پونہ نے جو مسلکی خدمات انجام دی ہیں، وہ قابلِ قدر و لائقِ تحسین ہیں۔ سرپرست صاحب ساؤتھ افریقہ میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، پونہ میں مفتی صاحب نے ہمیشہ ضرورت اور کام پر نگاہ رکھی، یہی وجہ ہے کہ عورتوں میں دینی بیداری قائم رکھنے کے لیے مدرسۃ البنات قائم کیا۔ الحمدللہ بہت سی بچیاں اس ادارہ سے فاضلہ ہو کر دینی خدمات انجام دے رہی ہیں، حالاتِ حاضرہ سے قوم و ملت کی حفاظت کے لیے پمپری کے علاقہ میں دار القضا قائم کیا، کہیں مسجد تعمیر کرا کر غیروں سے اپنی قوم کی حفاظت کا انتظام کیا، قوم کے نونہالوں میں دینی شعور پیدا کرنے کے لیے مکاتیبِ اسلامیہ قائم کیے، غرضے کہ مفتی صاحب کے ارد گرد کاموں کا ہجوم رہتا اور موصوف بڑی خوش اسلوبی سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے رہے۔

اب ان کی رحلت کے بعد قوم کے حساس لوگوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان کے چھوڑے ہوئے مشن کی حفاظت کریں، ربِ قدیر ان دینی خدمات کے صلہ میں پونہ کو ان کا بدل عطا فرمائے، مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے، آپ کے بچوں اور عزیز و اقارب کی حفاظت فرمائے اور اپنے کرم سے نوازے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

فقط عبدالحفیظ عفی عنہ

۱۳ر دسمبر ۲۰۱۷ء

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے چوبیسویں فقہی سیمینار

منعقدہ ۱۷/۱۸/۱۹/ صفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۷/۸/۹/ نومبر ۲۰۱۷ء سہ شنبہ تا پنج شنبہ کا

خطبۂ استقبالیہ

از: عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ عزیزی مصباحی
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

سب سے پہلے میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجلسِ شرعی کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ یہاں تشریف لائے، اپنے قیمتی مقالات ارسال کیے، اس سیمینار کے لیے منتخب موضوعات کے اہم گوشوں پر نگاہ ڈالی اور کسی حل تک پہنچنے کے لیے یہاں حاضر ہیں۔

حضرات! ہمیں آپ کے مقام و منصب کا اعتراف ہے اور ہماری کوشش رہتی ہے کہ آپ کی آمد و رفت، قیام و ضیافت کا بہتر سے بہتر انتظام کریں، لیکن آپ حضرات کے شایانِ شان ایسا ہو نہیں ہو پاتا جس کے لیے ہم پیشگی معذرت کرتے ہیں۔

مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنے زمانۂ قیام سے تا حال پچاس سے زائد مشکل ترین اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کیا ہے اور قومِ مسلم کے لیے نشاناتِ راہ متعیّن کیے ہیں، یہ سب آپ حضرات کی کوششوں اور محنتوں سے ممکن ہوا ہے، آپ کی تشریف آوری، آپ کا مطالعہ، مذاکرہ اور بحث و تمحیص دیکھ کر آپ کے اخلاص کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ رشتۂ رفاقت تا دیر سلامت رکھے۔ آمین!

جب ہم اکٹھا ہوتے ہیں تو یہ بھی غور کرتے ہیں کہ موجودہ حالات میں امتِ مسلمہ کن مسائل سے جوجھ رہی ہے، اس کی ضروریات کیا ہیں، اس کے جائز مطالبات کون کون سے ہیں؟ قومِ مسلم کا نوجوان تعلیمی امور اور اخلاقیات میں کسے رول ماڈل بنا رہا ہے۔

آپ حضرات اپنا ایک حلقۂ اثر رکھتے ہیں، قوم و ملت کو آپ سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، اس لیے ہمیں باہمی مشورے سے ایک متفقہ لائحۂ عمل بھی تیار کرنا ہے جو ہماری قوم کو صحیح سمت دے سکے اور وہ دینی، قومی، ملی، تعلیمی، معاشی اور اخلاقی اعتبار سے مضبوط و توانا ہو سکے اور قوم کا وقار محفوظ رہ سکے۔

محترم حضرات! اس وقت مرکزی حکومت قومِ مسلم کو پریشان کرنے کے لیے بیک نشست تین طلاق کا مسئلہ کھڑا کیے ہوئے ہے، بابری مسجد کا مسئلہ پھر سامنے لایا جا رہا ہے، ہمیں ان تمام مسائل پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

آپ یہاں ایک سچا جذبہ لے کر تشریف لائے ہیں، مجھے امید ہے کہ یہ جذبۂ صادق ہی ہمیں درست نتیجے تک پہنچائے گا اور جو موضوعات سیمینار کے لیے متعیّن ہیں، ان کا فیصلہ سامنے آئے گا۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اس میں بھرپور کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

عبدالحفیظ، عفی عنہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے چوبیسویں فقہی سیمینار

منعقدہ ۱۷/۱۸/۱۹/ صفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۷/۸/۹/ نومبر ۲۰۱۷ء سہ شنبہ تا پنج شنبہ کا

خطبۂ صدارت

از: حضرت مولانا محمد احمد مصباحی
ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ و سرپرست مجلسِ شرعی، مبارک پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
حَامِدًا و مُصَلِّيًا و مُسَلِّمًا

حضرات! اس چوبیسویں فقہی سیمینار کے لیے ۱۹/۲۰/۲۱/ نومبر ۲۰۱۶ء کی تاریخیں متعیّن تھیں۔ مگر اچانک ۹/ نومبر کو نوٹ بندی کے بطن سے پیدا شدہ گوناگوں مشکلات کا اثر اس علمی فقہی سیمینار پر بھی پڑا، اور سیمینار کی تاریخیں بہت قریب آجانے کے باوجود اسے ملتوی کرنا پڑا، شاید آپ حضرات کے لیے یہ بارِ خاطر بھی ہوا ہو مگر ہم معذرت خواہی کے ساتھ امید رکھتے ہیں کہ انتظامی دشواریوں کا اندازہ کرتے ہوئے آپ ارکانِ مجلس شرعی کو معاف فرمائیں گے۔

حضرات مندوبین کرام نے مجلس کے دیے ہوئے عنوانات پر مقدور بھر کوشش کی اور اپنے بیش قیمت مقالات اور آرا سے مجلس کو نوازا پھر سالِ رواں کی مقررہ تاریخوں پر اپنے مشاغل ترک کر کے صعوبت سفر برداشت کرتے ہوئے یہاں بحث و مذاکرہ کے لیے اپنی تشریف آوری کو عملی شکل دی، اس پر ہم ان سبھی حضرات کے ممنون اور شکر گزار ہیں۔ ربِّ کریم انھیں استقامت بخشے اور حلِّ مشکلات کے لیے ان کے سینے کھول دے۔

مقالات اور تلخیصات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بہت سے معاملات میں رایوں کا اختلاف ہے اور کسی بھی نئے علمی و فکری سفر میں یہ ناگزیر ہے۔ ہر اشہبِ فکر ایک ہی سمت میں رواں ہو اور ہر طائر نظر ایک ہی رخ پر محوِ پرواز ہو ایسا بہت ہی نادر و نایاب ہے۔

مگر امید ہے کہ جب آپ حضرات پوری فکری توانائی اور اخلاصِ قلب کے ساتھ غور و خوض کریں گے اور مباحثہ و مذاکرہ میں سرگرم حصّہ لیں گے تو ان شاء اللہ الرحمٰن مشکلات کی گرہیں کھلتی ہوئی اور اختلافِ آرا کے بادل چھٹتے ہوئے نظر آئیں گے اور ہر باب میں ایک محقّق اور منقّح فیصلہ سامنے آئے گا جس سے بے تاب دلوں کو قرار اور مشتاق روحوں کو سکون نصیب ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے کے سیمیناروں میں مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔ والحمد للہ ، و هو وليُّ كلِّ نعمة و إنّه ذوالفضل العظيم.

اس سیمینار میں بینک گارنٹی لیٹر، ای کامرس اور آن لائن بین الاقوامی تجارت جیسے نئے موضوعات زیر بحث ہیں اور اس سے قبل بھی تجارتی و اقتصادی میدان کے بہت سے مسائل زیر بحث آچکے ہیں۔ دراصل مغربی تاجرین کو کسی طریقۂ تجارت کے جواز و عدم جواز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، صرف عاجلانہ منفعت اور کثیر سے کثیر مالی فوائد پر ان کی نظر ہوتی ہے، اسی بنیاد پر وہ کوئی بھی طریقہ ایجاد کرتے ہیں اور اسے اس قدر عام کرتے ہیں اور اتنا دل کش بناتے ہیں کہ پوری دنیا اُس میں گرفتار ہو جاتی ہے پھر جب وہ طریقے علماے شریعت کے سامنے آتے ہیں تو انھیں سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جواز کا حکم دیں تو اس کے لیے کوئی واضح اور ٹھوس بنیاد

ہونی ضروری ہے اور اگر حکم جواز کی کوئی صورت نہیں نکلتی تو ایک دل کش اور منفعت بخش معصیت کی دلدل سے اپنی قوم کو باہر نکالنا بڑا زبردست چیلنج ہوتا ہے۔

حضرات! اہلِ مغرب کی کارستانیاں اتنے ہی پر بس نہیں، ان کا اقتصادی حلقہ اگر ایک طرف تجارتی میدان میں نت نئی منفعتی اختراعات سامنے لاتا ہے تو دوسری طرف ان کا اعتقادی اور سیاسی طبقہ طرح طرح سے مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور انھیں نئے نئے حربوں کے ذریعہ اسلام سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حرکت استشراق اور مستشرقین کا وجود اسی فکر کے تحت عمل میں آیا جس کا تعاقب مسلم اہل قلم نے کیا اور ان کی خیانتوں کا پردہ اچھی طرح چاک کیا، اس سے گھبرا کر مغربی دماغ نے مال و دولت کے ذریعہ اچھے اچھے فتنہ خیز دماغوں کی خریداری کی تدبیر سوچی اور ایسی تنظیموں کو وجود بخشا جن سے وابستہ ہونے والے افراد کو دل کش انعامات سے نوازا جاتا ہے، دنیا بھر میں ان کی عبقریت کا اعلان کیا جاتا ہے، انھیں دلکش منصوبے بنا کر سرگرم عمل کیا جاتا ہے اور ان پر مال و دولت کی برسات کی جاتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ تنظیم کے سانچے میں ڈھل کر اطاعت و فرماں برداری کو اس کی آخری حد تک پہنچائیں، رب کی بندگی اور مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی غلامی سے زیادہ انھیں تنظیم کی غلامی و بندگی عزیز ہو، اس کی کافرانہ دفعات سے ظاہراً باطناً کسی طرح سرِ مو انحراف گوارا نہ ہو۔

ایسی تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں جن کا فارمولا یہ ہے کہ یہودی، نصرانی، قادیانی، ہندو، سکھ، بدھشٹ وغیرہ سب اہل جنت ہیں، انسانوں کے کسی طبقے کو بھی کافر کہنے کی اجازت نہیں، شاتمانِ خدا اور سول اور اسلام کے بنیادی اصول و مبادی کو توڑنے والوں کی بھی تکفیر جائز نہیں۔ جو اس فارمولے کا پابند ہے اسی کے لیے تنظیم کے خزانوں کا دہانہ کھلا ہوا ہے اور جو اس سے منحرف ہو وہ کسی طرح کی داد و دہش کا مستحق نہیں۔

یہ تنظیمیں اپنے شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کرتی ہیں اور خود مسلمانوں سے بھی ایسے عُقلا کو خریدتی ہیں جو اپنی علمی یا سیاسی یا سماجی کارکردگی کی وجہ سے شہرت یافتہ ہوں،، جن کے پیچھے حامیوں اور معتقدوں کا ایک زبردست حلقہ ہو، جو اپنی دماغی قوت، تنظیمی لیاقت اور تقریری و تحریری صلاحیت کے باعث اچھے اچھے اذہان کو متاثر کر سکتے ہوں اور انھیں اپنے دامِ خوش نما کا پوری طرح اسیر بنا سکتے ہوں۔ مطمحِ نظر یہ ہے کہ اس طرح جب ایک شخص خرید لیا جائے گا تو اس کے ذریعہ ایک بہت بڑی جماعت تنظیم کے دامن میں آجائے گی اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ خود اسلامی اصولوں کو تاراج کرنے کے لیے میدان میں اتر پڑے گا اور قدیم مسلمانوں سے علمی و فکری جنگ کے لیے وہی کافی ہوگا، ملت اسلامیہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گی، اس کی اجتماعی قوت کے پرزے بکھر جائیں گے اور الزام بھی تنظیم کے سر نہ آئے گا بلکہ اس کا ذمہ دار مسلمان کہلانے والا کوئی مشہور قائد یا دانشور قرار پائے گا۔

برصغیر پر انگریز سامراج نے اپنا پرچم نصب کیا تو مسلمانوں کی دفاعی اور اجتماعی قوت کو توڑنے اور انھیں فرقوں میں تقسیم کرنے کے لیے افراد انگریزوں اور یہودیوں سے نہیں بلکہ مسلمان کہلانے والوں کے درمیان سے چُنے جس کا نتیجہ برٹش حکومت کے زوال کے بعد بھی ہمارے سامنے ہے۔

لیکن ہمارا مکّار و عیار دشمن ابھی اتنی ساری تفریق پر قانع نہیں بلکہ عالمی پیمانے پر ملتِ اسلامیہ کو بالکل ہی بے دست و پا اور ناتواں بنانے کے لیے مزید تدبیروں میں لگا ہوا ہے جن کی تفصیل کی اس مختصر خطبے میں گنجائش نہیں مگر ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ ائمۂ دین نے تکفیر کا حکم لگانے میں سخت احتیاط برتی ہے مگر بدلی ہوئی یہودیت، نصرانیت اور دیگر غیر اسلامی مذاہب پر اسلام کا لیبل لگانے یا ان کے ماننے والوں کو جنتی بتانے کی حرکت کبھی نہیں کی ہے۔ اسی طرح کسی نئی نبوت کا دعویٰ کرنے والے یا ختمِ

نبوت کا انکار کرنے والے یا خدا ورسول اور اسلام کی کھلی گستاخی کرنے والوں کی تکفیر صریح سے کبھی انحراف بھی نہیں کیا ہے مگر اب بڑے دانشورانہ انداز، داعیانہ لباس اور مغالطہ آفریں اسلوب میں عدم تکفیر کے ایک نئے فتنے کو جگانے کی سازش رچی جارہی ہے جس کا سرا نہ ائمۂ دین سے ملتا ہے نہ صحابہ و تابعین سے بلکہ سراغ لگایا جاتا ہے تو اس کا سرا سرکش شیاطین اور کھلے دشمنان دین سے ملتا ہے۔

پھر کچھ فروعی عقائد اور مسائل کو چھیڑنے کی بھی کوشش ہو رہی ہے جن میں سے بعض کفر تک نہیں تو ضلال تک ضرور پہنچتے ہیں اور بعض اس سے فروتر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جمہور مسلمین جن فرعی عقائد و مسائل میں متحد نظر آرہے ہیں ان میں بھی رخنہ اندازی کر کے کسی طرح انتشار و افتراق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کیا جائے اور اپنی قابلیت کا لوہا بھی منوایا جائے۔ اس طرح اگر چھوٹے فتنے مسلمانوں میں باریاب ہوجاتے ہیں تو کسی دن بڑا فتنہ بھی اپنی جگہ بنالے گا اور دشمن کا خواب کسی طرح شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔

ماضی قریب میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ ——— ۱۳۴۰ھ) نے اصول دین اور حدود تکفیر و عدم تکفیر کو اپنی تحریروں میں اچھی طرح واضح و مبرہن کر دیا ہے اور ایک زمانے سے ان کے علم و تحقیق کا سکّہ رواں ہے، ان کا اخلاص و تقویٰ، عشق خدا و رسول، محبت اسلام و مسلمین اور علمی و قلمی دیانت و امانت کا سونا بھی جانچا پر کھا ہوا ہے، ان کی امامت و پیشوائی مسلّم ہے اس لیے آج ان کے فتوائے تکفیر کو بھی خاص طور سے نشانہ بنایا جارہا ہے اور ان کی امامت و دیانت پر بھی ہرزہ سرائی کی جارہی ہے تاکہ اپنے باطل افکار کو امت میں اعتبار دے سکیں اور کہیں ان کی عبارتوں کی غلط تعبیر و تشریح یا بے جا استعمال کی بھی کوشش ہو رہی ہے تاکہ ان کا نام لے کر اپنے خود ساختہ فتنوں کو فروغ دے سکیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

حضرات علمائے کرام! آپ کے ہاتھوں میں کشتی ملت کی نگہبانی ہے اس لیے ہر طرح کے فتنوں سے ہمہ دم ہوشیار رہنے اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کی بے دریغ کوشش آپ پر فرض ہے۔

فتنے ہماری اولاد میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں، ہمارے مدارس کی چہار دیواریاں محفوظ نہیں، ہمارے گھروں کے بند کمروں میں لگے ہوئے بستر ہلاکت خیز ہتھیاروں کی زد میں ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی فراوانی نے ہر طرح کا حصار توڑ رکھا ہے، اب آپ کو تنہائیوں میں اور یک جا ہو کر مخصوص نشستوں میں سیلاب بلا پر بند باندھنے کی ہر ممکن تدبیر کرنی ہے اور اپنی سعی محکم سے فتنوں کا سینہ چاک کرنا ہے تاکہ آپ اپنے فرض سے سبک دوش بھی ہوں اور امت کو تحفظ بھی نصیب ہو۔ السعي منّا و الإتمام من الله.

حضرات! في الحال ہم سیمینار کے مقررہ سوالات حل کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں اور فوری طور پر ہمیں انھی کی طرف توجہ دینی ہے مگر میں نے مذکورہ فتنوں کا ذکر مؤخر کرنا، مناسب نہ سمجھا تاکہ آپ غور کریں، مؤثر تدابیر کی فکر کریں اور جلد ہی کوئی لائحۂ عمل تیار کر کے مقابلے کے لیے مردانہ وار تیار ہوں۔ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم :«إذا ظهرت الفِتَن ـــ أو قال: البِدَعُ ـــ و سُبَّ أصحابي فليظهر العالم علمه ، فمن لم يفعل فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس أجمعين ، لا يقبل الله له صرفًا و لا عدلًا».(رواه الخطيب في الجامع وغيره)

وفقنا الله و إيّاكم لما يُحِبّ و يَرضىٰ ، و أيّدنا و إيّاكم بالأيد المتين، و هو ذو الفضل العظيم و النصر المبين.

محمد احمد مصباحی

صدر مجلس شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ
مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

چوبیسواں فقہی سیمینار اور اس کے فیصلے

از: مفتی محمد نظام الدین رضوی

چوبیسواں فقہی سیمینار ایک سال کے طویل ناغے کے بعد ۱۷/ ۱۸/ ۱۹/ صفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۷/ ۸/ ۹/ نومبر ۲۰۱۷ء منگل، بدھ، جمعرات کو منعقد ہوا، اس سیمینار میں پانچ ضروری موضوعات زیر غور تھے جن میں سے چار موضوعات پر کافی بحث و تمحیص کے بعد باتفاق رائے فیصلے ہو گئے اور ایک موضوع کا فیصلہ تنگیِ وقت کے باعث نہ ہو سکا وہ ہے ”مٹیریل کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے ساتھ تعمیر کا ٹھیکہ“۔

ان چار فیصلوں میں سے شروع کے دو فیصلے بہت اہم اور تاریخی حیثیت کے حامل ہیں ہم کسی مناسب مقام پر ان کی اہمیت پر روشنی ڈالیں گے اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ اب ہم سب سے پہلے فیصلوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارے عوامی بھائیوں کے لیے استفادہ آسان ہو، پھر فیصلوں کا متن پیش کریں گے۔

فیصلوں کا خلاصہ

(۱) بینک گارنٹی لیٹر کا حکم:

بڑے بڑے کاروبار اور ٹھیکے میں بینک ”گارنٹی لیٹر“ جاری کرتا ہے اس کی شرعی حیثیت ضمانت کی ہے جو جائز ہے اور اپنی خدمات (سروسز) کے عوض جو فیس لیتا ہے اس کی شرعی حیثیت اجرت کی ہے یہ بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) بینک اکاونٹ میں رقوم کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں:

(الف) بینک اکاونٹ یا لیجر بک میں رقوم کا اندراج اصل مذہب کے لحاظ سے قبضہ نہیں لیکن اب کیش لیس کے رائج نظام، عرف عام اور حاجت شرعی کی بنا پر اس کو حکماً قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے لہٰذا قرض خواہ یا کسی دوست یا فقیر کے کھاتے میں روپے جمع کرنے سے قرض ادا ہو جائے گا اور ہبہ اور تصدق مفید ملک ہو گا۔

اس طرح کے امور میں بینک کے متعلقہ عملہ کی حیثیت وکیلِ قبض کی ہے تو اس طور پر اکاونٹ میں اندراج قبضے کا مظہر ہو گا۔
واللہ تعالیٰ اعلم

(ب) انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن جو سامان خریدے جاتے، پھر ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی بار بار خریداروں کی طرف سے بیچے جاتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ پہلی بیع جو سامان کے اصل مالک و قابض کی طرف سے ہوتی ہے جائز و درست ہے اور اس کے بعد خریداروں کی بیع در بیع بھی جائز ہی ہے کہ ان بیعوں میں بیع کی ذات (مثلاً یہ گھڑی) متعیّن نہیں اور بائع مطلوبہ کمپنی، ماڈل، سائز، کلر کا ویسا ہی سامان کبھی بھی دے سکتا ہے اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے، البتہ آن لائن خرید و فروخت میں چوں کہ خریدار نے اصل چیز دیکھی نہیں ہوتی ہے، اس لیے سامان دیکھنے کے بعد پسند نہ آئے یا کوئی عیب نظر آئے تو اسے واپس کرنے کا اختیار حاصل ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) انتفاع کی شرط کے ساتھ دکان مکان وغیرہ کا رہن:

ایک عرصے سے لوگوں میں یہ رائج ہے کہ لمبی لمبی رقوم قرض لے کر قرض خواہ کے پاس دکان یا مکان گروی رکھ دیتے ہیں اور وہ اس دکان یا مکان سے فائدہ اٹھاتا ہے یہ صورت قرض و سود کی ہے، جو حرام و گناہ ہے، اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ جتنے روپے کی حاجت ہو اسے مکان کے ماہانہ کرایے پر تقسیم کر دیں مثلاً بارہ ہزار روپے کے عوض مکان یا دکان اجارے پر دیں اور یہ طے کر دیں کہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار روپے ہو گا پھر بارہ ماہ پورے ہونے پر مکان، دکان واپس کر دے، یہ معاملہ اجارے کا ہے جو جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) ای کامرس ٹریڈنگ کا حکم:

آن لائن تجارت کو ای کامرس ٹریڈنگ کہتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں جن کے احکام الگ الگ درج ہیں:

☆ **ڈراپ شپنگ:**

اس صورت میں سامان ریٹیلر کے پاس موجود نہیں ہوتا پھر وہ

صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

سامان بیچ دیتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ جو سامان اپنے ملک میں نہ ہو اسے بیچنا ناجائز ہے اس لیے ایسے شخص سے ہرگز سامان نہ خریدیں اور نہ ریٹیلر بیچے، اسے چاہیے کہ کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے اس کا سامان بیچے اس صورت میں اس کا بیچنا اور دوسرے کا اس سے خریدنا جائز ہو گا اور یہ ریٹیلر اپنے کام کے عوض مقررہ اجرت کا بھی حقدار ہو گا۔

بزنس ٹو کنزیومرس:

اس صورت میں کمپنی جو سامان فروخت کرتی ہے وہ اس کے اسٹاک میں موجود ہوتا ہے، اس لیے اس کا بیچنا اور صارفین کا اس کا خریدنا، جائز ہے، ہاں! یہ لحاظ ضروری ہے کہ مشتری کسی معتمد و ذمہ دار کمپنی سے ہی اس طرح کا معاملہ کرے، اس بیع میں مشتری کو خیار عیب و خیار رویت بھی حاصل ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بزنس ٹو بزنس:

سامان بنانے والی کمپنی کا ڈسٹری بیوٹر سے، اور اس کا ہول سیلر سے، اور ہول سیلر کا ریٹیلر سے فروخت کرنا جائز ہے۔

کنزیومرس ٹو کنزیومرس:

یہ معاملہ بھی جائز ہے اور سائٹ کا مالک جو پیسے کماتا ہے وہ اس کے اشتہار کی اجرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کنزیومرس ٹو بزنس:

یہ معاملہ عقد اجارہ ہے، پروجیکٹ میں اگر کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے لیے کام کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فیصلے

پہلی نشست:

۱۷ر صفر ۱۴۳۹ھ / مطابق ۷ر نومبر ۲۰۱۷ء

منگل ــــ بعد مغرب

فیصلہ بعنوان

(۱) بینک گارنٹی لیٹر شرعی نقطۂ نظر سے

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حَامِدًا و مُصَلِّیًا و مُسَلِّمًا

اس نشست میں "بینک گارنٹی لیٹر" کی شرعی حیثیت زیر بحث آئی۔ بینک گارنٹی لیٹر کی تفصیل سوال نامے میں درج ہے۔ اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ جب کوئی شخص بڑا کاروبار کرنا چاہتا ہے اور اُدھار خریداری کے ذریعہ اپنی تجارت کو فروغ دینے کا قصد رکھتا ہے تو مارکیٹ میں اپنی شناخت اور کمپنیوں سے تعلقات نہ رکھنے کے باعث اس کے لیے اُدھار خریداری دشوار ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ چاہتا ہے کہ کسی معتبر بینک کو اس بات کا ضامن بنائے کہ یہ خریدار مطلوبہ رقم وقت پر ادا کر دے گا، اگر وہ نہ دے سکا تو بینک اس کی طرف سے ادا کرے گا، اسی طرح کسی کام کا ٹھیکہ لینے کی صورت میں بھی یہ ضمانت حاصل کی جاتی ہے جس میں کام پورا نہ ہونے کی وجہ سے نقصان کی تلافی کا ذمہ بینک لیتا ہے۔

یہ کارروائی مکمل کرنے کے لیے بینک کا مقررہ فارم، ضمانت حاصل کرنے والے کو پُر کرنا ہوتا ہے جس کے ساتھ متعدّد کاغذات اور دستاویزات درخواست ضمانت دینے والے کو منسلک کرنے ہوتے ہیں، پھر بینک اس شخص کی مالی حیثیت اور سابق عمل وغیرہ سے متعلق اطمینان حاصل کرنے کے بعد اس کی درخواست منظور کر کے ایک مکتوب جاری کرتا ہے جس کی بنیاد پر درخواست دہندہ تاجروں اور کمپنیوں سے اُدھار خریداری یا ٹھیکہ لینے کا اہل ہو جاتا ہے اور اس کا کام جاری ہو جاتا ہے۔ بینک یہ ضمانت کم از کم تین ماہ کے لیے اور زیادہ سے زیادہ دس سال کے لیے لیتا ہے۔ اور اس پر اپنی مقررہ فیس بھی وصول کرتا ہے۔

اب زیر بحث یہ مسئلہ تھا کہ شرعاً اس معاملے کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کا جواز ہے یا نہیں؟

کچھ اختلافاتِ آرا کے بعد مندوبین کا اس پر اتفاق ہوا کہ یہ "عقد کفالت" بلفظِ دیگر "عقد ضمانت" ہے۔ جس میں درخواست دہندہ "مکفول عنہ" اور مطلوب ہوتا ہے بینک "کفیل" ہوتا ہے اور "مکفول لہ" وہ شخص یا کمپنی ہوتی ہے جس سے بینک گارنٹی لیٹر رکھنے والا (بی جی ہولڈر) آئندہ معاملہ کرے گا۔

امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب میں اس عقد کی تکمیل کے لیے مکفول لہٗ یعنی طالبِ دَین کا قبول بھی شرط ہے، ابتداءً وہ نہ موجود ہے، نہ اس کا قبول ہے اس لیے یہ عقد ناتمام ہے۔ مگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہبِ آخر پر عقد کفالت کفیل کے قبول کر لینے سے تمام ہو جاتا ہے اور یہ مذہب بھی مفتیٰ بہ ہے، امام احمد رضا قدس سرّہ نے فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم میں فرمایا:

أقول: ہمارے نزدیک یہ تفصیل بھی عند التحقیق قولِ طرفین پر مبنی ہے کہ کفالت بے قبولِ طالب ناتمام مانتے ہیں۔

قولِ مُفتیٰ بِہٖ پر جبکہ کفالت صرف قولِ کفیل سے تمام ہوجاتی ہے اگرچہ طالب کی رضا نہ ہو، تو مطلوب کی اجازتِ لاحقہ نہ ہوگی مگر بعد تمام عقد اور وہ تبرُّعًا واقع ہولیا تواب مُتغیّر نہ ہوگا۔

عالمگیریہ میں ہے:

أمّا رُكْنُهَا فَالْإِيجَابُ ، وَالْقَبُولُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ - رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالى - ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ - رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى - أَوَّلًا حَتَّى إنَّ الْكَفَالَةَ لَا تَتِمُّ بِالْكَفِيلِ وَحْدَهُ ، كَذَا في المُحيط.

وَ رَضَا الطَّالِبِ لَيْسَ بشرطٍ عنده و هو الأصحُّ . «كافي» و هو الأظهر. «فتح القدير». و في البزازية: و عليه الفتوى، كذا في النهر الفائق و هكذا في البحر الرائق. اھ.(۱)

یہ فتویٰ جس میں قول امام ابو یوسف کو مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے ۱۳۳۶ھ میں جاری ہوا ہے اور امام احمد رضا قدّس سرّہ نے عرف و زمانہ کا اعتبار کرتے ہوئے آخر میں اسی کو ترجیح دی۔

الحاصل اس مذہب مفتیٰ بہ کی رو سے عقد کفالت بغیر قبولِ مکفول لہ کے مکمل ہو جاتا ہے لہٰذا بینک کے ساتھ ہونے والا عقد مکمل عقد کفالت ہے۔ رہا وقت عقد مکفول لہ کا نامعلوم ہونا تو یہ جہالتِ یسیرہ ہے جس کی عقد کفالت میں گنجائش ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں جب گارنٹی لیٹر کسی کمپنی کے پاس پہنچا اور اس نے اسے قبول کر لیا تو قبولِ مکفول لہ کی شرط بھی متحقق ہو گئی اور مذہب طرفین پر بھی عقد کفالہ مکمل ہو گیا۔

ہدایہ میں ہے: الكتاب كالخطاب ، و كذا الإرسال ، حتى اعتبر مجلس بلوغ الكتاب و أداء الرسالة.(۲)

حاشیہ شِلبی میں ہے:

إنّ قول الرسول كقول المرسِل ، و كذلك الكتاب من الغائب كالخطاب من الحاضر سواءٌ كان الرسول عدلاً أو غير عدل.(۳)

اس عقد کی صحت پر ایک اشکال یہ ہے کہ اس میں عوض کی شرط ہوتی ہے بینک مقررہ فیس لینے کے بعد ہی ذمہ لیتا اور گارنٹی لیٹر دیتا ہے، جب کہ شرعًا عقدِ کفالت میں اگر کفیل مال مطلوب کے علاوہ کوئی رقم مکفول عنہ سے لے تو کفالت فاسد ہے اس لیے کہ وہ رقم یا تو رشوت ہے یا رِبا۔

اس اشکال کے باوجود مذکورہ معاملہ دنیا بھر میں رائج ہے اور لوگ اس طرح بینک سے گارنٹی لیٹر حاصل کر کے تجارتوں میں لگے ہوئے ہیں اس لیے تا حدِّ امکان تصحیحِ عقد کی صورت زیر غور آئی اور دیکھا گیا کہ بینک اس معاملے کے ساتھ ابتدا میں اور بعد میں بہت سے کام انجام دیتا ہے، شروع میں وہ درخواست دہندہ سے متعلق اہلیت کی تفتیش کرتا ہے پھر لیٹر جاری کرتا ہے اور بعد میں جن کمپنیوں سے بی جی ہولڈر معاملہ کرتا ہے ان کا اور ان کے معاملات کا رِکارڈ رکھتا ہے تاکہ مکفول عنہ سے مطالبہ کر سکے اور وقت پر عدم ادائگی کی صورت میں خود ادا کرے، ان سروِسز (خدمات اور کاموں) پر وہ اجرت اور عوض لے سکتا ہے اس لیے یہ ماننا چاہیے کہ یہ عوض بینک کا سروس چارج ہے اور عقد مذکور "عقد کفالہ مع اجارہ" ہے، اس موقع پر تصحیح عقد کے لیے قول عاقدین سے ہٹ کر کچھ اور ماننے اور عقد صحیح قرار دینے کی نظیر بھی "ہدایہ"(۴) سے پیش ہوئی۔

اس لیے عقد کفالہ مع اجارہ قرار دینے اور اس کے جواز پر مندوبین کا اتفاق ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) فتاوی رضو يه جلد ۷، ص : ۲۷۵، كتاب الكفالة، سني دار الاشاعت)

(۲) ج: ۳، ص: ۳۲، مجلس بركات.

(۳) حاشية الشِّلبي على تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۵ ص ۲۱۱.

(٤) ہدایہ میں ہے: وَأَمّا بَيْعُ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ إنْ كَانَ قُوبِلَ بِالدَّيْنِ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ ، وَإِنْ كَانَ قُوبِلَ بِعَيْنٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ حَتَّى يَمْلِكُ مَا يُقَابِلُهُ وَإِنْ كَانَ لَا يَمْلِكُ عَيْنَ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ... وَكَذَا إذَا بَاعَ الْخَمْرَ بِالثَّوْبِ لِأَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ شِرَاءُ الثَّوْبِ بِالْخَمْرِ لِكَوْنِهِ مُقَايَضَةً.(الهداية ج ۳، ص : ۳۳، ۳٤، باب البيع الفاسد، مجلس البركات)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: "وَكَذَا إذَا بَاعَ الْخَمْرَ بِالثَّوْبِ" يَكُونُ الْبَيْعُ فَاسِدًا ، وَإِنْ وَقَعَ الْخَمْرُ مَبِيعًا وَالثَّوْبُ ثَمَنًا بِدُخُولِ "الباء" لِكَوْنِهِ مُقَايَضَةً، وَفِيهَا كُلٌّ مِنْ الْعِوَضَيْنِ يَكُونُ ثَمَنًا وَمُثَمَّنًا ، فَلَمَّا كَانَ فِي الْخَمْرِ جِهَةُ الثَّمَنِيَّةِ رُجِّحَ جَانِبُ الْفَسَادِ عَلَى الْبُطْلَانِ صَوْنًا لِلتَّصَرُّفِ عَنْ الْبُطْلَانِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ. اھ (العناية)۱۲

محمد نظام الدين الرضوي غفر له

دوسری نشست:

۱۸؍صفر ۱۴۳۹ھ/مطابق ۸؍نومبر ۲۰۱۷ء — بدھ — صبح

فیصلہ بعنوان

(۲) بینک اکاؤنٹ میں رقوم کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
حَامِدًا و مُصَلِّيًا و مُسَلِّمًا

قبضہ کا لغوی و حقیقی مفہوم ہے ہاتھ میں لینا، ہاتھ سے پکڑنا، سمیٹنا، مٹھی میں لینا اور حکماً تخلیہ کو بھی قبضہ کہا جاتا ہے۔ تَخْلِیَہ کا مطلب ہے: قبضہ کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کر کے شی کو ہاتھ سے قریب کر دینا اور تمكُّن من القبض کا مطلب ہے "قبضہ پر قابو پالینا"۔ اس میں اور تخلیہ میں فرق یہ ہے کہ تخلیہ کے لیے قابو پانے کے ساتھ کچھ اور شرطیں بھی درکار ہوتی ہیں جب کہ تمکُّن میں "قابو پالینا" کافی ہوتا ہے جیسے اپنے جال میں پرندہ یا مچھلی پھنس جائے تو قبضہ پر قابو مل جاتا ہے اور یہاں یہی قبضہ کے لیے کافی ہے مگر یہ تخلیہ نہیں ہے۔

مفردات امام راغب میں ہے:

القبض: تناول الشيء بجميع الكف.(۱)

بدائع الصنائع میں ہے: **الأصل في القبض** هو الأخذ بالبراجم؛ لأنه القبضُ حقيقة.(۲)

نیز اسی میں ہے: معنى القبض: هو التمكن من التصرف في المقبوض.(۳)

الاشباہ والنظائر، کتاب الصید میں ہے:

الاستيلاء قسمان: حقيقي و حكمي. فالأول بوضع اليد، و الثاني بالتهيئة، فإذا نصب الشبكة للصيد مَلَكَ ما تعقَّل.(٤)

کتب فقہ و لغت میں اس طرح کے نصوص بے شمار ہیں اور یہ مفاہیم مسلّمات سے ہیں۔

شریعت نے الفاظ کے وضعی مفاہیم کو بدلا نہیں بلکہ ان کو برقرار رکھتے ہوئے انھیں معانی میں استعمال کیا، یہ الگ بات ہے کہ کہیں کچھ امور کا اضافہ بھی کیا، مگر قبضہ کے مفہوم میں کوئی اضافہ نہیں ہے کہ یہ منقولات شرعیہ سے نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے: والأصلُ إعمالُ الألفاظِ في مُقتضَياتها الحقيقية.(۵) اصل یہ ہے کہ الفاظ کو ان کے حقیقی معانی میں استعمال کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبضے کی حقیقی، حکمی، عرفی کسی قسم میں شامل ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "بینک اکاؤنٹ میں اندراج" قبضے کی حقیقی، حکمی، عرفی کسی قسم میں شامل نہیں۔

◘ **حقیقی نہ ہونا** تو ظاہر ہے کہ وہ قبض بالبراجم یا ہاتھ میں لینا، پکڑنا نہیں ہے۔

◘ **حکمی اس لیے نہیں** ہے کہ تخلیہ اپنے شرائط کے ساتھ یہاں متحقق نہیں ہوتا۔

◘ **"عرفی"** اس لیے نہیں کہ عہدِ رسالت سے لے کر بعد کے ادوار تک کے عرف کے خلاف ہے۔

اب ہم ہر ایک کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبضۂ حکمی نہیں قبضۂ حکمی نام ہے

- اپنی مملوک چیز (مثلاً شکار کے لیے بچھایا گیا جال، یا بنایا گیا کمرہ، یا تالاب) میں کچھ آنے یا رکھنے کا
- یا پھر تخلیہ کا۔

اور یہاں دونوں معدوم ہیں۔ پہلی صورت کا تو یہاں کوئی وجود ہی نہیں۔ دوسری صورت ممکن ہے مگر اس کے شرائط نہیں پائے جاتے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدّس سرّہ نے قبضہ کی اس صورت پر تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے۔

بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبضۂ عرفی بھی نہیں

اس لیے کہ عہدِ رسالت سے اب تک جو عرف چلا آ رہا ہے اُس میں کسی مال یا جائداد سے متعلق دستاویز، وثیقہ یا رجسٹر میں اندراج کو قبضہ نہیں سمجھا جاتا۔ بینک کو اپنی تمام رقوم اور آمد و خرچ کا ریکارڈ رکھنے کے لیے متعدّد

---

(۱) مفردات امام راغب، ج ۱، ص ٦٥٢، کتاب القاف / قبض، دار العلم دار الشامية، دمشق بيروت.
(۲) بدائع الصنائع کتاب البیوع، فصل في حكم البيع .
(۳) بدائع الصنائع کتاب الهبة، فصل في شرائط ركن الهبة.
(٤) الأشباه والنظائر، ج ۱، ص ۲۸٦، دار الكتب العلمية.
(۵) الهداية ج ۳، ص ٥٢، بابُ الإقالة، مجلس البركات.

رجسٹر بنانے پڑتے ہیں، انہی میں سے ایک لیجر بک بھی ہے جو ہر کھاتے دار سے متعلق در آمد، برآمد ہونے والی رقوم پر مشتمل ہوتا ہے جس کی بنیاد پر کھاتے دار کا لین دین جاری رہتا ہے۔ نہ کھاتے دار اُسے اپنا قبضہ جانتا ہے، نہ بینک اُسے اُس کا قبضہ مانتا ہے۔ ہاں بینک کے رجسٹر میں کھاتے دار کو ملنے والی رقم کا اندارج بینک کی جانب سے اس بات کا اقرار ہوتا ہے کہ وہ کھاتے دار کی اتنی رقم کا مدیون ہے اور اس کے باعث کھاتے دار کو اس بات کا استحقاق ہوتا ہے کہ وہ بینک سے اپنی وہ رقم وصول کرے۔

یہ بھی قابل توجہ ہے کہ بینک میں درج شدہ رقم جب بینک کے ذمہ کھاتے دار کا دَین ہے تو دین ایسی چیز ہے جس پر قبضہ صحیح نہیں ہوتا، قبضہ عین ہی پر ہوتا ہے، (۱) احکام القرآن للامام الجصاص الرازی میں ہے: " الدين هو حق لا يصح فيه قبض، و إنّما يتأتّى القبضُ في الأعيان (۲).

یہ ساری بحث اصل مذہب حنفی کی بنیاد پر تھی، اب جو حالات پیدا ہوئے ہیں ان کے پیش نظر علما میں اختلاف ہوا کہ صرف اکاؤنٹ میں رقم کا اندراج قبضہ و مفیدِ ملک ہے یا نہیں؟

شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند حضرت العلام مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رجحان پہلے ہی سے یہ تھا کہ کھاتے میں اندراج قبضہ و مفیدِ ملک ہے اور آج بھی بہت سے علماے اہل سنت یہی موقف رکھتے ہیں، اور اب درج ذیل امور ہمارے سامنے ہیں:

☆آن لائن کاروبار عالمی سطح پر جاری ہو چکا ہے جس میں مال اپنے یا اپنے وکیل کے ہاتھ میں کم ہی آپاتا ہے، اور زیادہ تر سامان کی بیع در بیع یوں ہی ہوتی رہتی ہے اور کرنسی بھی مختلف لوگوں کے اکاؤنٹ میں بغیر کسی کے ہاتھ میں آئے ٹرانسفر ہوتی رہتی ہے۔

☆مختلف مواقع پر ایک دوسرے کے اکاؤنٹ میں کرنسی جمع کرکے قرض یا زادِ راہ، نذرانہ، تحفہ اور امداد وغیرہ کے نام پر لین دین بھی شروع ہو چکا ہے اور حال یہ ہے کہ لوگ اکاؤنٹ میں اندراج کو ہی کافی سمجھتے اور اس میں تصرفاتِ مالکانہ کرتے ہیں۔

☆اب "کیش لیس" کے نظام نے تنخواہ، اجرت، ثمن، قیمت، امانت، کفالہ، حوالہ، قرض، ضمان، ہبہ تصدق، رہن، دیت، زکات، صدقات، مالِ مباح وغیرہ سب میں اکاؤنٹ میں اندراج کو قبضے کے قائم مقام کر دیا ہے اور اب تو صورت حال یہ ہے کہ اسے قبضہ مانے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہیں رہ گیا۔ تو اب عام تفاہم و رواج اور قانون و حاجتِ شرعی کی بنا پر استحساناً بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبض بِالیَدْ (ہاتھ میں لینے) کے قائم مقام تسلیم ہونا چاہیے اس طرح کے حالات میں کئی مقامات پر فقہا نے معدوم کو موجود مان کر حکم شرعی جاری کیا ہے، اس لیے یہاں بھی "ہاتھ میں نہ لینے" کے باوجود اسے حکماً قبضہ ماننا چاہیے۔ اب اگر اسے حکماً قبضہ نہ تسلیم کیا جائے تو کاروبار میں شدید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ بہت سے کام منجمد بھی ہو سکتے ہیں، ہزار ہا ہزار امور میں لوگوں کے بہت سے حقوق ایک دوسرے کے ذمہ باقی رہ جائیں گے اور بے شمار لوگ دین ادا کر کے بھی مدۃ العمر مدیون ہی رہیں گے تو حرج شدید و حاجت بمنزلۂ ضرورت کی بنا پر اور تاثیم امت سے بچنے کے لیے بینک اکاؤنٹ میں اندراج کو قبضہ کے درجہ میں رکھا جائے گا۔

یہاں یہ **حل** بھی ممکن ہے کہ دوسرے کے بینک اکاؤنٹ میں کیش جمع کرنے کی تمام صورتوں میں جمع کرنے والے عملہ کو وکیلِ قبض تسلیم کیا جائے کیوں کہ وہ کھاتے داروں کی طرف سے روپے قبول کر کے ان کے کھاتوں میں اندراج کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ عملہ بینک کا قائم مقام ہو کر اپنی ذات میں کئی طرح کی حیثیتوں کا جامع ہے۔

☆حکومت کا ملازم و اجیر خاص ہے جو مخصوص اوقات میں ڈیوٹی پر مامور ہوتا ہے اور بینک کے لیے مختلف طرح کے کام کرتا ہے دَین لینا، دَین دینا، اجرت پر لوگوں کے کام کرنا، کفیل و محتال علیہ بننا۔

☆عوام الناس کے ذمہ جو مطالبہ ہے اسے اپنے ذمہ بھی لینا، یا صرف اپنے ذمہ لینا، ان صورتوں میں وہ عملہ کفیل یا مُحتال علیہ ہوتا ہے۔

☆اپنے کھاتے داروں کے کھاتوں میں دوسروں کے دیے ہوئے کیش جمع کر کے ان کے کھاتوں میں درج کرنا، اس حیثیت سے وہ اپنے کھاتے داروں کے وکیل قبض ہوئے۔

فتاوی ہندیہ، کتاب الوکالۃ میں ہے:

معناها شرعًا : إقامةُ الإنسان غَيرَهٗ مقام نفسِه فى تصرّف معلوم حَتّٰى أنّ التصرُّف إن لم يكن معلومًا

---

(۱) دَین: جو ذمہ میں واجب ہو، یہ ایک غیر محسوس چیز ہے اس لیے اس پر قبضہ نہیں ہو سکتا.

عَین : جو محسوس و معین ہو۔ لہٰذا اس پر قبضہ صحیح ہے۔ ۱۲ محمد نظام الدین الرضوی غفرلہ.

(۲) کتاب مذکور، ج۲ ص ۲۶۱، دار احياء التراث.

تثبت أدنیٰ تصرّفاتِ الوكيل و هو الحفظ. اھ.(۱)

اور شخص واحد الگ الگ حیثیتوں سے کفالہ، حوالہ، وکالہ وغیرہ کا ذمہ دار ہو سکتا ہے کہ حیثیت بدل جانے کے بعد کوئی منافات نہیں رہ جاتی، مثلاً زید کسی کا اجیرِ مشترک ہو، کسی کا کفیل اور کسی کا وکیل یا محتال علیہ ہو تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں۔

پھر یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ کفالہ، وکالہ وغیرہ کی یہ تمام حیثیات در اصل بینک کو حاصل ہوتی ہیں جو غیر عاقل ہونے کی وجہ سے کوئی بھی ذمہ داری انجام نہیں دے سکتا اس لیے اس کی طرف سے اس کا عملہ یہ ذمہ داریاں انجام دیتا ہے اور اسی وجہ سے اس کی طرف کفیل و وکیل وغیرہ کی نسبت کی جاتی ہے۔

سوال: آج کل انٹرنیٹ کے ذریعہ بیع قبل القبض کے معاملات عام ہو چکے ہیں تو کیا کمپیوٹر میں اندراج شرعاً قبضہ ہے؟ اور ان میں مبیع کا اندراج مفید جواز بیع ہے؟

جواب: انٹرنیٹ کے ذریعہ آن لائن جو سامان خریدے جاتے، پھر ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی بار بار خریداروں کی طرف سے بیچے جاتے ہیں ان کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ پہلی بیع جائز و صحیح ہے جو سامان کے اصل مالک و قابض کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کے بعد خریداروں کی بیع در بیع قبضہ سے پہلے ہونے کی وجہ سے بادی النظر میں ناجائز ہے چناں چہ ہدایہ میں ہے:

وَمَنْ اشْتَرَى شَيْئًا مِمَّا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ لَمْ يَجُزْ لَهُ بَيْعُهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ وَلِأَنَّ فِيهِ غَرَرَ انْفِسَاخِ الْعَقْدِ عَلَى اعْتِبَارِ الْهَلَاكِ. (۲)

قَالَ فِي الْفَتْحِ: الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ عَقْدٍ يَنْفَسِخُ بِهَلَاكِ الْعِوَضِ قَبْلَ الْقَبْضِ، لَمْ يَجُزْ التَّصَرُّفُ فِي ذَلِكَ الْعِوَضِ قَبْلَ قَبْضِهِ كَالْمَبِيعِ فِي الْبَيْعِ وَالْأُجْرَةِ إِذَا كَانَتْ عَيْنًا فِي الْإِجَارَةِ وَبَدَلِ الصُّلْحِ عَنْ الدَّيْنِ إِذَا كَانَ عَيْنًا لَا يَجُوزُ بَيْعُ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ، وَلَا أَنْ يُشْرِكَ فِيهِ غَيْرَهُ. (۳)

مگر یہ حکم ایسے مبیع کا ہے جو جنس، نوع، ذات ہر لحاظ سے متعیّن ہو جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت کے الفاظ "إذا كانت عينًا" اور "إذا كان عينًا" شاہد ہیں وجہ یہ ہے کہ "غَرَرِ انفساخِ عقد بہ ہلاکِ مبیع"(٤) کی علت اسی صورت میں پائی جاتی ہے۔

لیکن اگر مبیع صرف جنس و نوع کے لحاظ سے متعیّن ہو اور اس کی ذات متعیّن نہ ہو جیسے موبائل، لیپ ٹاپ، ٹیبلیٹ، گھڑی، کتاب، کپڑا، دوا، سوٹ کیس، صابن، تیل، سونا، چاندی، بائک، کار، ٹریکٹر، ٹرک اور دیگر مصنوعات کی خرید و فروخت اسی طرح ہوتی ہے کہ ان کی کمپنی، جنس، نوع، رنگ، سائز، مقدار متعیّن کر دی جاتی ہے مگر اشارے وغیرہ سے مبیع کا کوئی خاص فرد متعیّن نہیں کیا جاتا کہ وہ ہلاک ہو جائے تو مبیع ہلاک ہو جائے اور انفساخ عقد پایا جائے بلکہ اس کمپنی، جنس، نوع، صفت کے مثلاً بے شمار موبائل ہر ملک میں عموماً دست یاب ہوتے ہیں اس لیے یہاں نہ مبیع یا سامان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ و غرر ہے اور نہ ہی انفساخ عقد کا کوئی خطرہ، لہٰذا آج کل جس طور پر آن لائن اشیا کی خرید و فروخت کا رواج ہے جائز و صحیح ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص اشارے وغیرہ سے مبیع کی ذات بھی متعیّن کر دے مثلاً یہ کہے کہ میرے ہاتھ میں جو موبائل ہے اسے بیچا تو اس کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہوگی کہ ممکن ہے خریدار کے قبضہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائے جس کے باعث وہ عقد از خود فسخ ہو جائے اور ایسے خطرے کی صورت میں شئی معین غیر مقبوض کی بیع ناجائز ہوتی ہے۔

ہدایہ کی عبارت "اشترى شيئًا" میں "شيئًا" سے مراد "شيئًا عينًا" ہے یعنی معین چیز، اور وہ معین چیز فرد ہے، نہ کہ نوع۔

علاوہ ازیں حالات و واقعات شاہد ہیں کہ آن لائن کسی چیز کو خریدنے کے بعد خریدار اس میں تصرف مالکانہ پر قادر ہو جاتا ہے وہ چاہے تو اس پر قبضہ کرکے اپنے استعمال میں لائے، یا کسی کو نذر یا ہبہ کر دے، یا بیچ دے، اس پر تصرف سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تو یہ "حکماً مقبوض" ہے اور بیع کے جواز کے لیے یہ بھی کافی ہے، بشرطے کہ بائع کی طرف سے کوئی فریب یا خیانت نہ ہو۔

البتہ مذکورہ صورتِ خرید و فروخت میں چوں کہ اصل سامان خریدار کا دیکھا ہوا نہیں ہوتا اس لیے اسے خیار رویت حاصل ہوگا اور کوئی عیب ہو تو خیارِ عیب بھی حاصل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) الفتاوى الهندية ج ۳، ص: ۵٦۰، الباب الأول من كتاب الوكالة.

(۲) الهداية ج ۳، ص ۵۸ فصلٌ من باب المرابحة و التولية، مجلس البركات.

(۳) رد المحتار ج ٤، ص ۱۸۱، فصلٌ في التصرّف في المبيع والثمن / باب المرابحة والتولية، نعمانيه.

(٤) "غرر انفساخ عقد" مبیع کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے بیع کے از خود فسخ ہو جانے کا اندیشہ۔ ۱۲ محمد نظام الدین الرضوی غفرلہ

تیسری نشست:

۱۸/ صفر ۱۴۳۹ھ/ مطابق ۸/ نومبر ۲۰۱۷ء ــــ بدھ ــــ بعدِ عشا

فیصلہ بعنوان

(۳) انتفاع کی شرط کے ساتھ دُکان، مکان، وغیرہ کا رہن

آج کے زمانے میں لوگ انتفاع کی شرط کے ساتھ اپنی دُکان یا مکان بینک یا کسی اور دائن کے پاس گِروی (رہن) رکھتے ہیں، اُس کی دو حالتیں ہوتی ہیں:

(۱) کبھی انسان کو سنگین ضرورت پیش ہوتی ہے، اور اُسے قرض نہیں ملتا جب تک کہ اپنی کوئی چیز دائن کے پاس گروی نہ رکھے، مجبوراً مدیون اپنی کوئی چیز دائن کے پاس بطور رہن رکھ دیتا ہے۔ دائن شی مرہون سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے اور جب مدیون قرض واپس لوٹاتا ہے تو قرض کی پوری رقم واپس کرنی پڑتی ہے۔ اور دائن نے رہن سے جو فائدہ اٹھایا اسکا کوئی عوض مدیون کو نہیں ملتا۔ یہ پورا معاملہ دائن اور مدیون کی رضامندی سے طے پاتا ہے۔ شی مرہون سے بے عوض استفادہ پر مدیون کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ بلکہ اُسے یہ پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ صورت ایک زمانے سے رائج ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ لوگ بغیر کسی مجبوری کے محض کاروبار کرنے کی خاطر اپنا مکان، پلاٹ، دکان یا زمین وغیرہ گروی رکھ کر قرض لیتے ہیں۔ اس صورت میں ایک فریق (مُرتَہِن/دائن) شے مَرہون سے فائدہ اٹھاتا ہے، جب کہ دوسرا فریق (راہن/مدیون) قرض کی رقم کو کاروبار میں لگاکر مقررہ مدت تک اچھی خاصی کمائی کرلیتا ہے۔ اس میں فریقین کسی مجبوری کی بجائے اپنے فائدے کے لیے معاہدہ کرتے ہیں، اور دونوں ہی فائدہ اٹھاتے ہیں ایک فریق رقم کو کاروبار میں لگاکر فائدہ اٹھاتا ہے جب کہ دوسرا فریق شے مرہون کو کرایہ پر دے کر یا دوسرے طریقوں سے استعمال میں لاکر منافع حاصل کرتا ہے۔ جس قرض کا لین دین بینک یا کسی کمپنی کے ذریعہ ہوتا ہے وہ عام طور سے اسٹامپ پیپر پر لکھ لیا جاتا ہے، اُس میں شئِ مرہون سے انتفاع کی اجازت بھی تحریر ہوتی ہے۔

یہ دوسری صورت رہن کی جدید صورت ہے جو آج تاجروں، کمپنیوں، بینکوں اور عام شہریوں کے درمیان رائج ہے۔

ان حالات کے پیشِ نظر تین سوال زیرِ غور ہوئے:

(۱) کاروبار شروع کرنے یا کاروبار کے فروغ و ترقی کے لیے اور اپنی معاشی حالت سُدھارنے کے لیے شئِ مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) مجبوری یا ضرورت کے پیشِ نظر کیا اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے؟

(۳) جہاں حاجتِ شرعیہ نہ ہو اور رہن سے انتفاع کی شرط پر قرض لینا ناروا ہو تو کیا شرعاً جواز کے لیے کوئی حیلہ ہے جس پر عمل کرکے آسانی حاصل کی جاسکے؟

پہلے سوال کے جواب میں شے مرہون (گِروی رکھی ہوئی چیز) سے انتفاع کی تین صورتیں سامنے آئیں۔

(۱) عقدِ رہن میں مرہون سے انتفاع کی شرط ہو یا انتفاع کا عرف و عادت ہو۔

(۲) عقدِ رہن میں مرہون سے انتفاع کی شرط نہ ہو، اور عقد کے بعد راہن مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دے دے۔

(۳) شی مرہون سے انتفاع کا عرف ہو مگر عقدِ رہن میں صراحتہً یہ شرط ہو کہ مرتہن شے مرہون سے نفع اٹھانے کا مُجاز نہ ہوگا پھر عقد کے بعد راہن اپنی خوشی سے حسن سلوک کے طریقے پر مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دے دے، اور مرتہن صرف اس کی اجازت کی وجہ سے نفع اٹھائے، اپنا حق جان کر نفع نہ اٹھائے اور جب وہ منع کرے بلا چون چرا باز آجائے۔

● پہلی صورت میں رہن رکھ کر قرض لینا، دینا سود ہے جو ناجائز اور حرام ہے۔

● دوسری صورت جائز ہے، اصل حکم یہی ہے لیکن ایک عرصے سے دیارِ ہند میں شے مرہون سے مرتہن کا انتفاع اس قدر عام و معروف ہوچکا ہے کہ مرتہن اسے اپنا واجبی حق جانتے ہیں، اگر انھیں معلوم ہو کہ نفع نہ ملے گا ہرگز قرض نہ دیں گے، اور راہن پر قرض کا دباؤ نہ ہو تو ہرگز اجازت نہ دیں گے، اس عرفِ عام کی وجہ سے یہ انتفاع بھی انتفاع مشروط ہی کی طرح سود اور ناجائز و حرام ہے۔

❀ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: كل قرض جر منفعةً فهو ربا[1].

(۱) نصب الراية لأحاديث الهداية، ج: ٤، ص: ٦٠، مؤسسة الريان للطباعة والنشر، بيروت، لبنان.

❀ ہدایہ میں ہے: وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِالرَّهْنِ لَا بِاسْتِخْدَامٍ وَلَا بِسُكْنَىٰ وَلَا لُبْسٍ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ الْمَالِكُ ؛ لِأَنَّ لَهُ حَقَّ الْحَبْسِ دُونَ الِانْتِفَاعِ. وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَ إِلَّا بِتَسْلِيطٍ مِنَ الرَّاهِنِ ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُؤَاجِرَ وَ يُعِيرَ؛ لِأنه لَيْسَ لَهُ وِلَايَةُ الِانْتِفَاعِ بِنَفْسِهِ فَلَا يَمْلِكُ تَسْلِيطَ غَيْرِهِ عَلَيْهِ ، فَإِنْ فَعَلَ كَانَ مُتَعَدِّيًا ، وَلَا يَبْطُلُ عَقْدُ الرَّهْنِ بِالتَّعَدِّي.[1]

❀ در مختار میں ہے:

(لَا انْتِفَاعَ بِهِ مُطْلَقًا) لَا بِاسْتِخْدَامٍ، وَلَا سُكْنَىٰ، وَلَا لُبْسٍ، وَلَا إجَارَةٍ، وَلَا إعَارَةٍ ، سَوَاءٌ كَانَ مِنْ مُرْتَهِنٍ أَوْ رَاهِنٍ (إلَّا بِإِذْنٍ) كُلٍّ لِلْآخَرِ ، وَقِيلَ: لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ؛ لِأَنَّهُ رِبًا ، وَقِيلَ: إنْ شَرَطَهُ كَانَ رِبًا، وَإِلَّا لَا.[2]

نیز در مختار میں ہے: قالوا: إذا لم تكن المنفعة مشروطة و لا متعارفة فلا بأس.[3]

❀ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"في الفتاوى الصغرى وغيرها: إن كان النفع مشروطا في القرض فهو حرام والقرض بهذا الشرط فاسد، وإلّا جاز، ألا ترى أنّه لو قضاه أحسن مما عليه لايكره، إذا لم يكن مشروطا، وقالوا: وإنما يحل ذلك عند عدم الشرط إذا لم يكن فيه عرف ظاهر، فإن كان يُعرف أن ذلك يُفعل كذلك، فلا .اھ ملخصاً.

علامہ طحطاوی، پھر علامہ شامی خود شرح در مختار میں فرماتے ہیں:

الغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولولاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع. انتهى.

فقیہ اسلام امام احمد رضا قدس سرہ یہ عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں:

أقول: ولا شك أن هذا بعينه حال أهل الزمان يعرفه منهم كل من اختبر. و معلوم أن أحكام الفقه إنما تبنى على الكثير الشائع، و لا تذكر حال شذت و ندرت فيه الجواز كما نص عليه المحقق حيث أطلق فى فتح القدير، وغيره من العلماء الكرام، فالحكم في زماننا هو إطلاق المنع لا يرتاب فيه من له إلمام بالعلم، و الكلام ههنا و إن كان طو يلا فجملة القول ما ذكرنا.[4]

● تیسری صورت میں انتفاع جائز ہے؛ لیکن ہندوستان کا عرف و رواج اس سے مکمل جدا ہے، یہاں یہ صورت نہیں پائی جاتی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں اس صورت کا حکم ان الفاظ میں مرقوم ہے:

بر بنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سود و حرام ہے ... یہ انتفاع اگرچہ لفظاً مشروط نہ ہو، عرفاً بے شک مشروط و معہود ہے تو حکم مطلق حرمت و ممانعت...

ہاں! اگر مرتہن بے لحاظ انتفاع قرض دے، ● اور صرف بغرض وثوقِ وصول جو تشریعِ رہن سے مقصودِ شارع ہے رہن لے ● اور عاقدین وقت عقد صراحۃً شرط کر لیں کہ مرتہن کسی طرح نفع اٹھانے کا مُجاز نہ ہوگا، "وذلك لأن ما صار معروفًا لا يصير مرفوعًا بالسكوت فلا يكفي عدم الشرط بل شرط العدم كي يفوق الصريح الدلالة" ● پھر راہن اپنی خوشی سے مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے دے، ● اور مرتہن صرف بر بنائے اجازت، نہ کہ اپنا استحقاق جان کر نفع اٹھائے ● اور حال یہ ہو کہ اگر راہن اس وقت روک دے تو فوراً رک جائے۔

یعنی بعد اس شرط عدمِ انتفاع کے مالک نے برضائے خود مکانِ رہن میں رہنے کا اذن دیا یہ آکر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے منع کیا تو معًا باز رہے اور اصلاً چوں چرا نہ کرے تو ایسا انتفاع جب تک رضائے راہن رہے حلال ہوگا مگر حاشا ہندوستان میں اس صورت کی صورت کہاں۔ اللہ عزّ وجلّ مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔[5]

---

(۱) الهداية ج: ٤، ص: ٥٠٦، كتاب الرهن ، مجلس بركات، مبارك پور

(۲) الدر المختار المطبوع مع رد المحتار ج: ۷، ص: ٤٠، ٤١، كتاب الرهن، دار الفكر ، بيروت.

(۳) الدر المختار المطبوع مع رد المحتار ج: ٥، ص: ٤٨٨، كتاب الحوالة، مطلب فى السفتجة، دار الفكر، بيروت.

(٤) فتاوی رضو یہ ج: ١٠، ص: ٢٨٠، کتاب الرهن، رضا اکیڈمی ممبئی.

(٥) فتاوی رضو یہ ج: ١٠، ص: ٢٨٢، ٢٨٣، ملتقطًا ، کتاب الرهن، رضا اکیڈمی ممبئی.

دوسرے سوال کے جواب میں تمام مندوبین کا اس امر پر اتفاق ہوا کہ محتاج کے لیے نفع کی شرط پر قرض لینا جائز ہے چناں چہ بحر الرائق واشباہ وغیرہ میں ہے: یجوز للمحتاج الاستقراض بالرّبح.[1]

مگر محتاج سے شرعاً کیا مراد ہے اس بارے میں فقیہ اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابلِ قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو، نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا، ورنہ ہر گز جائز نہ ہوگا، جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی، سو روپے پاس ہیں، ہزار روپے لگانے کو جی چاہا، نو سو سودی نکلوائے، یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا، سودی قرض لے کر بنایا، یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا، پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگا دیے، یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں، نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا، و علی ھذا القیاس صدہا صورتیں ایسی ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں توان میں حکم جواز نہیں ہو سکتا، اگر چہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں، ولہذا قُوت اہل و عیال کے لیے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی نوکری ملتی ہے جس کے ذریعے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کے بسر کے لائق مل سکے، ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی، نہ ضرورت قُوت۔[2]

اس امر پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ مسلمان انکم ٹیکس کے ضرر کثیر سے بچنے کے لیے قرض لے سکتا ہے جب کہ اس کی میعاد پر ادا کر دے تا کہ انٹرسٹ، انکم ٹیکس سے کم رہے کہ یہ بھی شرعاً درجۂ حاجت میں ہے۔

(۳) ہاں کاروبار کو فروغ دینے اور زندگی کے دیگر امور میں آسانیاں فراہم کرنے کے لیے اجارے کا حیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے جس کی مناسب صورت یہ ہے کہ جتنے روپے کی حاجت ہو اُسے مکان کے ماہانہ کرایے پر تقسیم کر دیں مثلاً بارہ ہزار روپے کے عوض مکان اجارے پر دیں اور یہ طے کر دیں کہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار روپے ہوگا۔ چناں چہ بہار شریعت میں ہے:

”بعض لوگ قرض لے کر مکان یا کھیت رہن دیتے ہیں کہ مرتہن مکان میں رہے اور کھیت کو جوتے بوئے اور مکان یا کھیت کی کچھ اجرت مقرر کر دیتے ہیں مثلاً مکان کا کرایہ پانچ روپے ماہوار یا کھیت کا پٹہ دس روپے سال ہونا چاہیے اور طے یہ پاتا ہے کہ یہ رقم زرِ قرض سے مجرا ہوتی رہے گی، جب کل رقم ادا ہو جائے گی اس وقت مکان یا کھیت واپس ہو جائے گا، اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی اگر چہ کرایہ یا پٹہ واجبی اجرت سے کم طے پایا ہو اور یہ صورت اجارہ میں داخل ہے، یعنی اتنے زمانہ کے لیے مکان یا کھیت اجرت پر دیا اور زرِ اجرت پیشگی لے لیا۔“[3] واللہ تعالیٰ اعلم

تیسری نشست:

۱۸ر صفر ۱۴۳۹ھ/ مطابق ۸ر نومبر ۲۰۱۷ء——

بدھ——بعدِ عشا

فیصلہ بعنوان

(۴) ای کامرس ٹریڈنگ شرعی نقطۂ نظر سے

بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم
حَامِدًا و مُصَلِّیًا و مُسَلِّمًا

انٹرنیٹ کے ذریعہ اشیا کی خرید و فروخت اور دوسری خدمات کی فراہمی کو ای کامرس ٹریڈنگ (آن لائن تجارت) کہتے ہیں۔ آج ہوائی جہاز یا ٹرین کے ٹکٹ، کتابیں، کپڑے، سافٹ ویئر، ہارڈ ویئر، دیگر الیکٹرانک سامان، پھل، پھول اور کھانے پینے کے سامان آن لائن خریدے جاتے ہیں اور بینک کی ضروری خدمات بھی حاصل کی جاتی ہیں۔

اس میں دفاتر، عملے اور دیگر لوازم کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ کمپنی کی ذاتی ویب سائٹ یا دوسرے کی ویب سائٹ کے واسطے سے کام ہوتا ہے۔

برقی تجارت کی کئی صورتیں ہیں:

❶ ڈراپ شپنگ (Drop Shiping)

اس صورت میں ریٹیلر Retailer (خردہ فروش) سامان اسٹاک میں نہیں رکھتا بلکہ کسٹمر کے آڈرس اور سامان بھیجنے کی تفصیل، مال بنانے والے یا دوسرے ریٹیلر یا ہول سیلر کو بھیج دیتا ہے جو براہ راست کسٹمر کو سامان بھیج دیتا ہے۔

اس صورت کا حکم: جب کوئی خریدار خردہ فروش (ریٹیلر)

(۱) البحر الرائق، کتاب البیوع، باب الربا.

(۲) فتاوی رضویہ ج ۷، ص ۸۲، رضا اکیڈمی

(۳) بہار شریعت، حصہ ہفدھم ص: ۷۰۴.

سے معاملہ کرتا ہے اُس وقت ریٹیلر کے پاس سامان نہیں ہوتا اس لیے ابتداءً یہ عقد ناجائز ہوتا ہے لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لا تبعْ ما ليس عندك (أي ليس في مِلكِكَ) ہاں جب کمپنی کا بھیجا ہوا سامان خریدار کو مل جاتا ہے اُس وقت بطور تعاطی بیع منعقد ہوجاتی ہے اور پہلے سے جمع شدہ روپے اب ثمن قرار پاتے ہیں، اس سے پہلے وہ قرض تھے۔

اگر بیع تعاطی کے انعقاد سے پہلے "خریدار مالکِ نصاب" کا سالِ نصاب پورا ہوجاتا ہے تو اس جمع شدہ روپے کی زکاۃ بھی اس پر فرض ہوگی۔

جو سامان اپنی ملک میں نہ ہو اُسے بیچنا ناجائز ہے اس لیے دانستہ ایسے شخص سے ہرگز سامان نہ خریدیں اور نہ ریٹیلر بیچے، اس کو چاہیے کہ کمپنی سے وکالتِ بیع حاصل کرے پھر بیع کرے۔ اس صورت میں اس کا بیچنا اور دوسرے کا اُس سے خریدنا، جائز ہوگا اور ریٹیلر اپنے کام کے عوض مقررہ اجرت کا بھی حقدار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❷ بزنس ٹو کنزیومر

(B to C)Business to Consumers

اس صورت میں کمپنی براہ راست اپنے سامان یا اپنی خدمات صارفین تک پہنچاتی ہے۔ عمدہ ویب سائٹ پر ایک حقیقی دکان کی طرح اپنے سارے سامان کا نمونہ رکھتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی قیمت اور اوصاف بیان کر دیتی ہے۔ صارفین ویب سائٹ پر سامان اور اس کے اوصاف دیکھ کر خریدتے ہیں اور اس کی قیمت آن لائن ادا کرتے ہیں۔

B TO C بی -ٹو- سی کے لیے استعمال ہونے والی ویب سائٹوں میں "www.amazone.com" اور "www.ebay.com" کو صارفین زیادہ قابلِ اعتماد اور بہتر سروس والی قرار دیتے ہیں۔

اس کا حکم شرعی: اس صورت میں کمپنی جو سامان فروخت کرتی ہے وہ اس کے اسٹاک میں موجود ہوتا ہے اس لیے اس کا بیچنا اور صارفین کا اس سے خریدنا، جائز ہے۔ ہاں یہ لحاظ ضروری ہے کہ مشتری کسی معتمد و ذمہ دار کمپنی سے ہی اس طرح کا معاملہ کرے۔ اس بیع میں مشتری کو خیارِ عیب و خیارِ رویت بھی حاصل ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❸ بزنس ٹو بزنس

(B to B)Business to Business

اس صورت میں ایک تاجر دوسرے سے سامان خریدتا ہے۔ مثلاً ایک کمپنی اپنا سامان تیار کرنے کے لیے دوسری کئی کمپنیوں سے مختلف چیزیں خریدتی ہے پھر ان کی مدد سے صارفین کے لیے اپنا سامان تیار کرتی ہے۔ اس میں ایک تاجر دوسرے تاجر سے رابطہ براہ راست نیٹ سے کرتا ہے، درمیان میں کسی تیسرے کا دخل نہیں ہوتا۔ جیسے ایک گاڑی بنانے والی کمپنی گاڑی کا ٹائر، گلاس، پرزے وغیرہ خریدنے کے لیے دوسری کمپنیوں سے رابطہ کرتی ہے پھر گاڑی تیار ہوجانے کے بعد صارفین سے رابطہ کرتی ہے۔

اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ سامان بنانے والی کمپنی ڈسٹری بیوٹر سے فروخت کرتی ہے اور وہ ہول سیلر سے فروخت کرتا ہے اور ہول سیلر ریٹیلر سے فروخت کرتا ہے۔

اس کا حکم: سامان بنانے والی کمپنی کا ڈسٹری بیوٹر سے، اور اس کا ہول سیلر سے، اور ہول سیلر کا ریٹیلر سے فروخت کرنا جائز ہے، لصدوره عن أهله في محله مع عدم المانع و الله تعالیٰ اعلم

❹ کنزیومر ٹو کنزیومر

(C to C)Consumers to Consumers

اس میں ایک کنزیومر (سامان فروخت کرنے والا) دوسرے کنزیومر (سامان خریدنے والے) سے انٹرنیٹ اور ویب ٹکنالوجی کی مدد سے براہ راست فروخت کرتا ہے۔ ویب سائٹ ایک عام بازار جیسی ہوتی ہے جہاں مختلف کنزیومرس اپنا سامان یا خدمات فروخت کرتے ہیں، سائٹ کا مالک سامان یا خدمات فروخت کرنے والوں اور اشتہار سے پیسے کماتا ہے۔ ایسی ویب سائٹ کو مارکیٹ پیلیس بھی کہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال "www.ebay.com" کی سائٹ ہے۔

حکم شرعی: یہ معاملہ بھی جائز ہے اور سائٹ کا مالک جو پیسے کماتا ہے وہ اس کے اشتہار کی اجرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

❺ کنزیومرس ٹو بزنس

(C to B) Consumers to Business

اس میں کنزیومرس کسی پروجیکٹ کو آن لائن کرتے ہیں جس پر کام کرنے کے لیے مختلف کمپنیاں بولی لگاتی ہیں۔ بولی میں کنزیومرس جس کو پسند کرتے ہیں اس سے کاروبار طے ہوجاتا ہے۔ اس طرح کی ایک ویب سائٹ pazaryerim.com ہے۔

حکم شرعی: یہ معاملہ عقد اجارہ ہے۔ پروجیکٹ میں اگر کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے لیے کام کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

چشم دید

اصحابِ مقالات وشرکاے سیمینار

مولانا جنید احمد مصباحی

اس سیمینار میں بحث کے لیے پانچ عناوین منتخب تھے، دو گزشتہ سیمیناروں کے تھے، جن پر فیصلہ نہیں ہو سکا تھا اور موجودہ سیمینار کے تین عناوین پر موصول ہونے والے مقالات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عناوین

(۱)-بینک گارنٹی لیٹر، شرعی نقطۂ نظر سے (۲)-انتفاع کی شرط کے ساتھ دُکان، مکان وغیرہ کا رہن شرعی نقطۂ نظر سے

(۳)-مٹیریل کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے ساتھ تعمیر کا ٹھیکہ شرعی نقطۂ نظر سے

سیمینار میں اہلِ سنت وجماعت کے عظیم فقہاے کرام اور دانش ور حضرات نے شرکت کی، جیسا کہ تفصیلِ ذیل سے عیاں ہے۔

------﴿اکابر﴾------

(۱)-عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ، سرپرست مجلس شرعی وسربراہ اعلیٰ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۲)-صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، صدر مجلسِ شرعی وناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۳)-رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی دام ظلہ، بانی ومہتمم دار القلم نئی دہلی۔

(۴)-سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی، ناظمِ مجلسِ شرعی وصدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۵)-حضرت مولانا نصیر الدین مصباحی دام ظلہ، بانی ومہتمم دار العلوم قادریہ، سون بھدر

(۶)-حضرت مولانا عبد المبین نعمانی دام ظلہ، مہتمم دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو

(۷)-حضرت مولانا مفتی عبد المنان کلیمی دام ظلہ، جامعہ اکرم العلوم، لال مسجد مراد آباد

------﴿اصحاب مقالات﴾------

نمبر شمار	اسماے مقالہ نگاران	پتا	صفحات مقالہ نمبر (۱)	صفحات مقالہ نمبر (۲)	صفحات مقالہ نمبر (۳)
(۸)	مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	بنارس	۵	۴	۶
(۹)	مولانا محمد رفیق عالم رضوی	بریلی شریف	۳	۷	۵
(۱۰)	مولانا محمد سلیمان مصباحی	سلطان پور	۱	۳	۲
(۱۱)	مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	مہراج گنج	۷	۷	۴
(۱۲)	مولانا ازہار امجدی ازہری	اوجھا گنج، بستی	۴	-	-
(۱۳)	مولانا شبیر احمد مصباحی	مہراج گنج	۲	۶	۶
(۱۴)	مولانا عبد السلام رضوی مصباحی	تلسی پور	۱	۱	۱
(۱۵)	مولانا محمد عابد رضا مصباحی	پونہ	۴	-	-
(۱۶)	مولانا محمد عاقل رضوی مصباحی	بریلی شریف	۳	-	۲
(۱۷)	مفتی عبد الرحیم اکبری	راجستھان	۵	۹	۴
(۱۸)	مولانا محمد صادق مصباحی	مہراج گنج	۳	-	۲

(۱۹)	مولانا منظور احمد خاں عزیزی	سلطان پور	۳	۳	۲
(۲۰)	مولانا محمد مسیح احمد مصباحی	بلرام پور	۴	۳	-
(۲۱)	مولانا محمد مبشر رضا ازہر مصباحی	بھیونڈی	۲	۳	۲
(۲۲)	مولانا نوشاد مصباحی ازہری	گجرات	۲	۲	-
(۲۳)	مولانا قاضی شہید عالم رضوی	بریلی شریف	۵	۷	۸
(۲۴)	مولانا محمد صباح الدین ربانی مصباحی	باندہ	۳	-	-
(۲۵)	مولانا محمد ممتاز عالم مصباحی	گھوسی	۵	۴	۲
(۲۶)	مولانا آل مصطفیٰ مصباحی	گھوسی	۱	۲۳	۲
(۲۷)	مولانا محمد عارف اللہ مصباحی	محمد آباد	۲	۷	۳
(۲۸)	مولانا محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی مصباحی	کشی نگر	۳	-	۴
(۲۹)	مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۳	-	-
(۳۰)	مولانا جنید احمد مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۳	-	۴
(۳۱)	مولانا خالد ایوب مصباحی	راجستھان	۱۳	-	۵
(۳۲)	مولانا محمد رضوان قادری	امبیڈکر نگر	۲	-	-
(۳۳)	مولانا ابرار احمد اعظمی	امبیڈکر نگر	۵	۶	۱۲
(۳۴)	مولانا عبد الغفار اعظمی	خیر آباد	۲	-	۱
(۳۵)	مفتی رضاء الحق اشرفی مصباحی	کچھوچھہ شریف	۱	۵	۱
(۳۶)	مولانا ساجد علی مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۴	-	۴
(۳۷)	مولانا محمد اشرف القادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۲	-	۳
(۳۸)	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۳	-	-
(۳۹)	مولانا محمد ہارون مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۳	۵	-
(۴۰)	مولانا شہروز عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۲	-	۴
(۴۱)	مولانا محمد اظہار النبی حسینی مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۲	-	۳
(۴۲)	مولانا محمد سعید رضا مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۲	-	۳
(۴۳)	مولانا محمد نظام الدین قادری	جمدا شاہی	۲	۲	۲
(۴۴)	مولانا محمد غلام مجتبیٰ مصباحی	جامعہ اشرفیہ	۱	-	۱
(۴۵)	مولانا محمد انور نظامی مصباحی	ہزاری باغ	۱	۱	۱
(۴۶)	مولانا محمد عابد رضا مصباحی	جمشید پور	۵	-	-
(۴۷)	مولانا شمیم اختر رضوی مصباحی	جمشید پور	۹	-	-
(۴۸)	مولانا شیر محمد خان مصباحی	لکھنو	-	-	۲
(۴۹)	مولانا محمد صلاح الدین نظامی مصباحی	جمشید پور	-	-	۱
(۵۰)	مولانا عبد الرحمن مصباحی	جامعہ اشرفیہ	-	-	۲
(۵۱)	مولانا عبد الوہاب قادری مصباحی (شعبہ تحقیق)	جامعہ اشرفیہ	-	-	۳

------﴿بقیہ شرکاے سیمینار﴾------

(۵۲)	مفتی معراج القادری،، جامعہ اشرفیہ	(۵۳)	مفتی بدر عالم مصباحی،، جامعہ اشرفیہ
(۵۴)	مولانا مسعود احمد برکاتی، جامعہ اشرفیہ	(۵۵)	مولانا صدر الوریٰ قادری، جامعہ اشرفیہ
(۵۶)	مولانا نفیس احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۵۷)	مفتی نسیم احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ
(۵۸)	مفتی زاہد علی سلامی، جامعہ اشرفیہ	(۵۹)	مولانا مبارک حسین مصباحی، جامعہ اشرفیہ
(۶۰)	مولانا ناظم علی مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۶۱)	مولانا اختر کمال قادری، جامعہ اشرفیہ
(۶۲)	مولانا احمد رضا مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۶۳)	مولانا دستگیر عالم مصباحی، جامعہ اشرفیہ
(۶۴)	مولانا حسیب اختر مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۶۵)	مولانا محمد عرفان عالم مصباحی، جامعہ اشرفیہ
(۶۶)	مولانا توفیق احسن برکاتی، جامعہ اشرفیہ	(۶۷)	مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری، جامعہ اشرفیہ
(۶۸)	مولانا عبد اللہ ازہری، جامعہ اشرفیہ	(۶۹)	مولانا ازہر الاسلام ازہری، جامعہ اشرفیہ
(۷۰)	مولانا قاسم مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۷۱)	مولانا ارشاد احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ
(۷۲)	مولانا قاری محمد رضا مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۷۳)	مولانا رئیس اختر مصباحی، جامعہ اشرفیہ
(۷۴)	مولانا ذیشان احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۷۵)	مولانا رضوان احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ
(۷۶)	مولانا رقیب سنجر مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۷۷)	قاری عبد القیوم، جامعہ اشرفیہ
(۷۸)	قاری محمد ابوذر مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۷۹)	قاری عبد الرحمٰن مصباحی، جامعہ اشرفیہ
(۸۰)	مولانا محمود مصباحی، الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ، سکٹھی	(۸۱)	مولانا محمد احمد، سنت کبیر نگر
(۸۲)	مولانا شبیر احمد، کولکاتا	(۸۳)	مولانا جلال الدین مصباحی، دار العلوم مخدوم سمنانی، کچھوچھہ
(۸۴)	مولانا فخر عالم، (فیجی)	(۸۵)	مولانا عصام الدین برکاتی، مکتبہ برہانِ ملت، مبارک پور
(۸۶)	مولانا فاروق نظامی، دار العلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا ممبئی	(۸۷)	مولانا رحمت اللہ مصباحی، نامہ نگار روزنامہ انقلاب
(۸۸)	مولانا طفیل احمد مصباحی، نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ	(۸۹)	مولانا محمد اسلم مصباحی، جامعہ اشرفیہ
(۹۰)	مولانا غلام نبی مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۹۱)	مولانا اسلام الدین، جامعہ اشرفیہ
(۹۲)	مولانا فاروق مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۹۳)	مولانا فیض محمد، راجستھان
(۹۴)	مولانا نور الہدیٰ مصباحی، گورکھ پور	(۹۵)	مولانا انوار احمد، خلیل آباد
(۹۶)	مولانا فیض الحق، محمد آباد گوہنہ	(۹۷)	مولانا الیاس، راجوری، کشمیر
(۹۸)	قاری نور الحق مصباحی، جامعہ اشرفیہ	(۹۹)	مولانا طفیل احمد، الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ، سکٹھی
(۱۰۰)	مولانا ذوالفقار احمد مصباحی، الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ، سکٹھی	(۱۰۱)	مولانا سعید انور، دار العلوم قادریہ، سون بھدر
(۱۰۲)	مولانا صلاح الدین، دار العلوم قادریہ، سون بھدر	(۱۰۳)	مولانا عبد المصطفیٰ، جین پور

خلاصۂ مقالات بعنوان

بینک گارنٹی لیٹر شرعی نقطۂ نظر سے

مولانا ساجد علی مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے اربابِ حل وعقد نے چوبیسویں فقہی سمینار میں تحقیق ومذاکرہ کے لیے جن تین موضوعات کا انتخاب کیا، ان میں پہلا موضوع ہے:

"بینک گارنٹی لیٹر شرعی نقطۂ نظر سے"۔

اس موضوع سے متعلق سوال نامہ مولانا محمد ناصر حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے مرتب فرمایا اور مختلف بینکوں کی ویب سائٹوں سے "بی.جی"[Bank Guarantee Latter] کا تعارف، اس کی قسمیں، اس کے اصول وضوابط، اس کی فیس، اس کی ضرورت وافادیت اور اس کے طریقۂ کار پر کافی روشنی ڈالی، پھر شرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے متعدد کتبِ فقہ سے چند جزئیات پیش کرنے کے بعد مسئلۂ دائرہ کی توضیح وتشریح کے لیے ہندوستان کے مختلف اضلاع اور ریاستوں میں تدریس وتحقیق اور افتا کا فریضہ انجام دینے والے علماے کرام ومفتیانِ عظام کو دعوتِ تحقیق وتنقیح دی اور ان کی خدمت میں چار سوالات پیش کیے، وہ سوالات اور ان کے جوابات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

پہلا سوال اور اس کے جوابات

پہلا سوال ہے: "بینک گارنٹی لیٹر" کی شرعی حیثیت "کفالہ" کی ہے یا "ایجنسی" کی؟

اس سوال کے جواب میں ہمارے مندوبین کرام کی تین رائیں ہیں:

پہلی رائے: (وعدہ)

"بینک گارنٹی لیٹر" محض ایک وعدہ کی حیثیت رکھتا ہے، اب چوں کہ بینک کے وعدہ پر کاروبار کرنے والوں اور کمپنیوں کا اعتماد ہوتا ہے؛ اس لیے اُس لیٹر کے حامل کو اُدھار سامان وغیرہ دے دیا جاتا ہے۔ یہاں اگر چہ "کفالت" کے معنٰی کا افادہ کرنے والا انگریزی لفظ "گارنٹی" موجود ہے، لیکن بینکوں کے اس طریقِ کار میں عقدِ کفالت کی حقیقتِ شرعیہ متحقق نہیں ہے۔----- یہ رائے مولانا محمد نظام الدین قادری، علیمیہ جمدا شاہی کی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے:

☆کفالت صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مکفول لہٗ یا اس کا کوئی نائب اگر چہ فضولی ہی کیوں نہ ہو مجلس عقد میں قبول کرے، اور زیرِ نظر معاملہ میں ایسا ہوتا نہیں ہے؛ کیوں کہ بینک کی طرف سے گارنٹی لیٹر کا اجرا پہلے ہوتا ہے، بعد میں گارنٹی ہولڈر، مکفول لہٗ (بائع) کے پاس جاتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ولاتصح الكفالة إلا بقبول المكفول لهٗ في المجلس وهٰذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله. وقال أبو يوسف رحمه الله آخراً: يجوز إذا بلغه أجاز، ولم يشترط في بعض النسخ الإجازة، والخلاف في الكفالة بالنفس والمال جميعا.[هدایہ اخیرین، ص: ۱۰۴]

☆ اس معاملہ کی حیثیت زیادہ سے زیادہ تحریری بیثاق کی شکل میں ایک وعدہ کی ہے، کتبِ فقہ میں بعض ایسے مسائل ہیں جن میں کفالت صحیح نہ ہونے کی صورت میں اس طرح کے معاملہ کو محض ایک وعدہ قرار دیا گیا ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے: تمھارا جو کچھ فلاں پر ہے، میں دوں گا، یہ کفالت نہیں، بلکہ وعدہ ہے۔[بہارِ شریعت حصہ:۱۲، ص:۸۴۱]

☆مولانا قاضی شہید عالم رضوی صاحب فرماتے ہیں:

ایک احتمال یہ ہے کہ بینک گارنٹی لیٹر کی حیثیت ایجاب بالکتاب کی ہو، ایسی صورت میں مال بیچنے والی یا ٹھیکہ دینے والی کمپنی جب بینک گارنٹی لیٹر پڑھ کر قبول کرے تو اس وقت عقد کفالت منعقد ہوجائے گا۔

ہدایہ میں ہے:

الکتاب کالخطاب وکذا الإرسال حتی اعتبر مجلس بلوغ الکتاب وأداء الرسالة.[ھدایه اخیرین ،ص:۲]

حاشیۂ شلبی میں ہے:

إن قول الرسول کقول المرسل وکذلك الکتاب من الغائب کالخطاب من الحاضر سواء کان الرسول عدلا أو غیر عدل .[حاشیة الشلبي علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ،ج:۵،ص:۲۱۱]

البحرالرائق میں ہے:

وصورةُ الکتاب أن یکتب أما بعد فقد بعثُ عبدي فلانا منك بکذا ، فلما بلغه الکتابُ قال في مجلسه ذلك: اشتریتُ ، تمّ البیعُ بینهما.

[البحرا الرائق ،ج:۵،ص:۲۹]

دوسری رائے:(عقدِاجارہ)

بینک کی طرف سے گارنٹی لیٹر جاری کرنا ”عقد اجارہ“ ہے بینک کی حیثیت ”اجیر مشترک“ کی ہے اور فیس اس کے عمل کی اجرت ہے۔—— یہ رائے دو علمائے کرام کی ہے:

۱۔مفتی عبدالرحیم اکبری ، راجستھان ۔۲۔مولانا محمد ہارون مصباحی،اشرفیہ۔

اِن میں مفتی عبدالرحیم اکبری صاحب نے ایک صورت یہ بھی ذکر کی ہے کہ یہ معاملہ ”عقدِ بیع“ ہو اور اس کی فیس ”گارنٹی لیٹر“ کا ثمن ہو۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”بینک کی حیثیت ”ایجنسی“ کی ہے اور یہ ”اجیر مشترک“ ہے جو اپنی ذمہ داریوں کے بدلے فیس کے نام پر اپنی ”اجرت“ لیا کرتا ہے یا فیس ”ثمن“ ہے اس بی جی کا جسے بینک ، بی جی ہولڈر کے ہاتھ بیچا کرتا ہے“۔[مقالہ مفتی عبدالرحیم اکبری،راجستھان،ص:۹]

اس کی دلیل یہ ہے:

☆ منی آرڈر کرنے کی صورت میں ڈاک خانے کو جو زائد رقم دی جاتی ہے،اس کے حوالے سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

”ڈاک خانہ ایک اجیر مشترک کی دکان ہے جو بغرض تحصیل اُجرت کھولی گئی ہے، دو آنے قطعًا وہاں جانے اور روپیہ دینے اور واپس آنے اور رسید لانے ہی کی اجرت ہیں جیسے لفافہ پر اور پارسل پر ۴/ وغیرہ ذالک،اس کو تو کوئی عاقل ربا خیال ہی نہیں کر سکتا“۔

[فتاویٰ رضویہ،رسالہ المُنیٰ والدُرر،ج:۸،ص:۱۹۷،رضا اکیڈمی]

زیرِ بحث مسئلے میں بھی بینک کا وہ شعبہ جو ”بی جی لیٹر“ جاری کرتا ہے ،اجیر مشترک کی ایک دکان ہے ،جو بی جی ہولڈر کے لیے بغرض تحصیل اجرت کھولی گئی ہے ،بینک کا یہ شعبہ بی جی ہولڈر کے لیے کئی کام انجام دیتا ہے اور انھیں کاموں کے عوض کے طور پر فیس وصول کرتا ہے۔لہٰذا جب بینک اور بی جی ہولڈر ایک منفعتِ مقصودہ جائزہ پر قصدِ اجارہ کر رہے ہیں اور عوضِ منفعت کے طور پر فیس مقرر کر رہے ہیں اور اسے اجرت ہی کہہ اور سمجھ رہے ہیں تو بلا شبہہ یہ عقد ”اجارہ“ ہی ہوگا اور وہ فیس ”اجرت“ ہی ہوگی اور اس فیس کو عوضِ کفالت ماننا صحیح نہ ہوگا۔[مقالہ مولانا محمد ہارون مصباحی،اشرفیہ]

☆ بینک جن ذمہ داریوں کو اپنے سر لیتا ہے اس میں وہ ساعی ہوا کرتا ہے مثلاً مکفول عنہ سے دین وصول کر کے مکفول لہٗ کو دینا اور مکفول لہٗ کی طرف سے مبیع پہنچانے میں دھوکہ دھڑی کی صورت میں مبیع مکفول عنہ کو پہنچانا وغیرہ۔الحاصل بینک ابتداءً ایجنٹ ہے اور گارنٹی لیٹر کی فیس اس کی مزدوری ہے جو عرف میں بی جی ہولڈر کے ذمہ ہوا کرتی ہے۔[مقالہ مفتی عبدالرحیم اکبری،راجستھان،ص:۵]

☆اس رائے کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا ابرار احمد اعظمی فرماتے ہیں:

”یہاں یہ دلیل بہت مستحکم نظر نہیں آتی کہ بینک اجیر مشترک کی ایک دکان ہے جس کی وضع ہی اجرت پر کام کرنے کے لیے ہوئی ہے؛ کیوں کہ اگر اس دلیل کی بنیاد پر گارنٹی کے عوض دی جانے والی رشوت کو اجرت قرار دے دیا جائے تو بینک کا قرض دے کر انٹرسٹ وصول کرنا سود کے زمرے سے نکل کر اجرت قرار پائے گا ، فلیتامل“۔[مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی،ص:۴]

اور مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی فرماتے ہیں:

”اگر یہ اجارہ ہے تو شرائط فاسدہ کی وجہ سے فاسد و غیر صحیح ہے۔

اولاً: تین ماہ سے کم کی ضمانت حاصل کرنے کی صورت میں پورے تین ماہ کی اجرت کی شرط۔ **ثانیاً:** وقتِ مقرر سے تاخیر کی صورت میں جرمانہ لینے کی شرط۔ **ثالثاً:** بنام فیس رقم واجب سے زائد لینے کی شرط۔ **رابعاً:** درمیان میں وقتِ ضرورت اضافی رقم لینے کی شرط۔

مذکورہ تمام شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہیں ،عاقدین پر اس کا فسخ کر دینا واجب ہے۔مندرجہ فقہی عبارات اس پر شاہد ہیں:

در مختار میں ہے:

وتفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسدالبيع يفسدها. [ج:٩،ص:٦٤]

اور اسی میں ہے:

وحقيقة الشروط الفاسدة كمارهي زيادة مالا تقتضيه العقد ولايلائمه فيكون فيها فضل خال عن العوض وهو الربا. [ج:٧،ص:٤٩٦]

ہدایہ میں ہے:الإجاره تُفسدها الشروطُ كما تُفسد البيعَ .[ج:٣،ص:٣٠١]

مفتی عبدالرحیم اکبری صاحب فرماتے ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ گارنٹی لیٹر کی یہ فیس اس گارنٹی کے لکھوانے اور کاغذ کی قیمت قرار دے دی جائے جس کی نظیر خط لکھوانے اور فتویٰ لکھوانے کی مزدوری ہے۔

☆ بہارِ شریعت میں ہے:

”بہت سے لوگ تعویذ کا معاوضہ لیتے ہیں یہ جائز ہے، اس کو اجارہ کی حد میں داخل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ بیع میں شمار کرنا چاہیے یعنی اُتنے پیسوں یا روپے میں اپنے تعویذ کو بیع کرتا ہے۔۔۔ صاحب در مختار نے ردّ سحر کے تعویذ لکھنے پر اجارہ کو جائز فرمایا جبکہ مقدار کاغذ و مقدارِ تحریر معلوم ہو کہ اتنا کاغذ ہوگا اور اُس میں اتنی سطریں لکھی جائیں گی، مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ اُس صورت میں ہوگا کہ جب اُس لکھوانے والے نے یہ کہا کہ فلاں چیز مجھے لکھ کر دے دو اور یہ طریقہ تعویذ دینے والوں کا نہیں ہے ،بلکہ ناقلین کا ہوسکتا ہے؛کیوں کہ کاغذ کی مقدار اور تحریر کے لحاظ سے اگر اُجرت ہوتی تو تعویذ کے چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے اُجرت میں اختلاف ہوتا حالاں کہ یہ نہیں، بلکہ امراض اور تعویذ کے زود اثر ہونے کے اعتبار سے اس کی قیمتوں میں اختلاف ہوتا ہے، اسی وجہ سے پانچ پیسے اور پانچ روپے کے تعویذ میں تحریر و کاغذ کی مقدار میں فرق نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اجارہ نہیں ہے۔

البتہ بیع کی صورت میں ایک خرابی یہ نظر آتی ہے کہ عموماً اُس وقت تعویذ موجود نہیں ہوتا، بعد میں لکھا جاتا ہے اور معدوم کی بیع درست نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اُس نے تعویذ کی فرمائش کی اُس وقت بیع نہیں، بلکہ لکھ لینے کے بعد بطورِ تعاطی بیع ہوگی اور یہ جائز ہے“۔[بہار شریعت، حصہ:۱۴، ص:۱۳۷، فاروقیہ بک ڈپو]

تیسری رائے:(کفالۂ فاسدہ)

”بینک گارنٹی لیٹر“ کی شرعی حیثیت صورۃً ”کفالہ“ کی ہے، ایجنسی کی نہیں ہے اور لیٹر ”سندِ کفالہ“ ہے۔———— یہ رائے باقی تمام مقالہ نگار علماے کرام کی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان میں بیشتر حضرات اسے غیر صحیح و فاسد مانتے ہیں۔

کفالہ ہونے کے دلائل یہ ہیں:

☆ ”بینک گارنٹی“ میں لفظ گارنٹی [Guarantee] انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ لغت میں اس کا معنیٰ ہے: ذمہ داری اور ضمانت۔ اور بعینہ یہی معنیٰ لفظِ کفالت کا بھی ہے اور جو کفالت کا معنیٰ دے وہ ”کفالتِ شرعی“ ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

ألفاظ الكفالة كل ما يُنبِئ عن العهدة في العرف والعادة. [ج:٣،ص:٢٣٣]

☆حکم شرع میں الفاظ عرفی معنیٰ پر محمول ہوتے ہیں اور عرف میں بینک کے اس طریقۂ کار سے کفالت مفہوم؛ لہٰذا بینک سے حاصل گارنٹی، شرع میں کفالت ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

بالجملہ اجارات وغیرہا معاملات میں مدار تعارف پر ہے اور مسلمین میں متعارف یہی مہینے ہیں، تو عند الاطلاق انھیں کی طرف انصراف“۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۸، ص:۵۳۴]

☆بینک گارنٹی لیٹر، بی جی ہولڈر کے حق میں استقراض ہے۔

بی جی ہولڈر، بینک گارنٹی لیٹر کے حصول کی درخواست دے کر گویا بینک سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اگر وقت مقررہ پر وہ دائن کو دَین ادا نہ کر سکے تو بینک اسے دَین کی مقدار قرض دے کر دائن کو اس کی طرف سے ادا کر دے۔ کفالت بھی مکفول عنہ کے حق میں استقراض ہے اور ادائگی دَین کے بعد کفیل مکفول عنہ کا مُقرض بنتا ہے۔

تحفۃ الفقہاء کتاب الکفالۃ میں ہے:

لأن الكفالة في حق المكفول عنه استقراض وهو طلب القرض والكفيل بالأداء مقرض للمكفول عنه ونائب عنه في الأداء إلى المكفول له.

☆ بہارِ شریعت میں ہے:

اصطلاحِ شرع میں کفالت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص اپنے

ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ضم کر دے یعنی مطالبہ ایک شخص کے ذمہ تھا دوسرے نے بھی مطالبہ اپنے ذمہ لے لیا خواہ وہ مطالبہ نفس کا ہو یا دَین یا عین کا۔

جس کا مطالبہ ہے اس کو طالب و مکفول لہٗ کہتے ہیں اور جس پر مطالبہ ہے وہ اصیل و مکفول عنہ ہے اور جس نے ذمہ داری کی وہ کفیل ہے اور جس چیز کی کفالت کی وہ مکفول بہ ہے۔

[بہار شریعت، حصہ:۱۲، ص:۲۳۸، مکتبۃ المدینہ]

☆ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”توضیح مقام یہ ہے کہ شرع میں کفالت کے معنی ہیں: کسی کے ذمہ سے اپنا ذمہ ملا دینا دَین میں جیسے بعض کا قول ہے، یا مطالبہ میں جیسا کہ قول اصح ہے۔ ہدایہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

قيل: هي ضم الذمة إلى الذمة في المطالبة. وقيل: في الدَّين. والأول أصح. انتهى. أقول: والمراد أعم عن مطالبة حاضرة كما على مديون أو متوقعة كما في ضمان الدرك وغيره ففي الهندية عن محيط السرخسي لو قال لرجل: ما بايعتَ فلانا فهو عليّ جاز؛ لأنه أضاف الكفالةَ إلى سبب الوجوب وهو المبايعة، والكفالةُ المضافة إلى وقت في المستقبل جائزة لتعامل الناس في ذلك اھ. وفيها عن الكافي يصح تعليق الكفالة بالشروط كما لو قال: ما بايعتَ فلانا فعليّ وما ذاب لك عليه فعليّ وما غصبك فلان فعليّ. [فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۲۷۷]

مسئلۂ دائرہ میں بھی ضامن یعنی بینک دوسرے کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے اور دوسرے کے ذمۂ دَین کے ساتھ اپنا ذمہ ضم کر لیتا ہے، لہٰذا اس گارنٹی لیٹر کی حیثیت کفالہ کی ہوئی اور یہ عقد ”عقدِ کفالہ“ ہوا۔

اس عقدِ کفالہ کے صحیح نہ ہونے کی وجہیں:

ہمارے بیشتر مندوبین لکھتے ہیں کہ ”بینک گارنٹی لیٹر“ کی حیثیت گو ”کفالہ“ کی ہے جیسا کہ کتب فقہ کے حوالہ سے بیان کیا گیا، لیکن یہ عقدِ کفالہ متعدّد وجوہ سے غیر صحیح ہے۔ اس مقام پر عدم صحت کے وجوہ بیان کرنے میں بعض نے ایک دو پر اکتفا کیا ہے اور اس کے جوابات بھی دیے ہیں اور بعض نے صرف وجہِ فساد ذکر کی ہے اور اس کا کوئی جواب نہیں دیا ہے۔

البتہ مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی نے اس سلسلے میں سات وجوہ کا ذکر کیا ہے۔ ہم یہاں ان کے بیان کردہ تمام وجوہ کا ذکر کرتے ہیں اور جو جوابات دیے گئے ہیں انھیں بھی نقل کرتے ہیں:

عقدِ کفالہ صحیح نہ ہونے کی پہلی وجہ:

عقدِ کفالت کے وقت مجلس ایجاب میں مکفول لہٗ یا اس کا کوئی نائب موجود و حاضر نہیں رہتا تو مجلسِ ایجاب میں قبول نہیں پایا گیا جب کہ حضرت امام اعظم اور امام محمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک ایجاب و قبول دونوں کفالت کے رکن ہیں اور دونوں کا مجلس واحد میں پایا جانا ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر بعد میں مکفول لہٗ کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے قبول کر لیا تو بھی اصلاً مفید و کارآمد نہیں، لہٰذا طرفین علیہما الرحمۃ کے نزدیک ایسی کفالت باطل ہوگی، اگرچہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک یا تو کفالت صرف کفیل سے تام ہو جاتی ہے یا مکفول لہٗ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے (علی اختلاف القولین) حالاں کہ پہلے آپ کا بھی موقف وہی تھا جو طرفین علیہما الرحمۃ کا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

ہمارے امام اعظم و امام ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب مفتیٰ بہ میں ایجاب و قبول دونوں رکنِ کفالت ہیں، اگر مکفول لہٗ مجلسِ ایجاب میں حاضر نہ ہو، اور اسی مجلس میں قبول نہ پایا جائے کفالت باطلِ محض و بے اثر ہوتی ہے کہ اس کے بعد اگر مکفول لہٗ کو خبر پہنچے اور وہ قبول بھی کر لے جب بھی اصلاً مفید نہیں۔ مبسوطِ امام محمد سے خلاصہ میں ہے:

إذا كفل رجل لرجل والمكفول لهٗ غائب فهو باطل. و قال أبو يوسف آخرا: هُو جائز.

قدوری وہدایہ میں ہے:

ولا تصح الكفالة إلا بقبول المكفول لهٗ في المجلس.

بزازیہ میں ہے:

إذا كان المكفول لهٗ غائبا فهي باطلة خلافا للثاني.

جامع الفصولین وانقرویہ میں ہے:

لا تصح الكفالة بلا قبول الطالب.

تنویر میں ہے:

لا تصح الكفالة بلا قبول الطالب في مجلس العقد.

منح الغفار میں امام طرطوسی سے ہے:

الفتویٰ علی قولهما.

رد المحتار میں ہے:

واختاره الشيخ قاسم حيث نقل اختيار ذٰلك عن أهل الترجيح كالمحبوبي والنسفي وغيرهما وأقره الرملي ، وظاهرالهداية ترجيحه لتأخيره دليلَهما وعليه المتون اھ. ومن المتقررأن الفتوىٰ متى اختلف وجب المصير إلى قول الإمام مالم يكن الاختلاف اختلاف الزمان و أن المتون مقدمة على غيرها فترجح من وجهين وليس من العلم العدول عن الراجح إلى المرجوح كما قد تبين في محله.

سراجیہ میں ہے:

إذا قال لقوم: اشهدوا أني كفيل فلان بنفس فلان والمكفول به حاضر و الطالب غائب فالكفالة باطلة فإن قبل إنسان عنه توقف على إجازته.

ہندیہ میں محیط سے ہے:

ركنها الإيجاب والقبول عند أبي حنيفة ومحمد وهو قول أبي يوسف أولاًحتى أن الكفالة لاتتم بالكفيل وحده سواء كفل بالمال أوبالنفس مالم يوجد قبولُ المكفول له أوقبولُ الأجنبي عنه في مجلس العقد، أما إذا لم يوجد شيءٌ من ذٰلك فلا تقف على ماوراء المجلس حتى لو بلغ الطالب فقبل لم تصح .[ج:۷،ص:۲۶۷، ۲۶۸، رضا اکیڈمی ،ممبئی]

اصحاب فقہ وافتا سے یہ مخفی نہیں کہ اختلافِ فتویٰ کے وقت قولِ امام کو ترجیح دی جاتی ہے جب کہ یہاں عامۂ متون کی تائید مستزاد ہے، بلکہ فتویٰ مطلقاقولِ امام پر ہوتا ہے، اگرچہ مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔

☆اس وجہِ فساد کے سلسلے میں مفتی آل مصطفیٰ مصباحی صاحب فرماتے ہیں :

” اگر چہ ترجیح وفتویٰ دونوں جانب ہے اور ایسی صورت میں مکلف کو اختیار ہے کہ جس پر چاہے عمل کرے، لیکن چوں کہ امام ابو یوسف کی روایت اوفق بالعرف ہے؛ لہٰذا یہی مرجح اور فی زماننا اسی پر افتاوحکم مناسب۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”اگر چہ ظاہر الروایہ وہ ہے، مگر روایتِ امام ابو یوسف اوفق بالعرف ہے اور کلام کا عرفِ متکلّم پر حمل واجب، تو یہی مرجح ہے اور اسی پر حکم وافتا مناسب“۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۲۶۸، رضا اکیڈمی، ممبئی]

☆اور اس وجہِ فساد کے سلسلے میں مولانا قاضی شہید عالم رضوی صاحب فرماتے ہیں:

”دونوں ہی قول تصحیح سے مؤید اور مفتیٰ بہ ہیں، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ میں بعض فتووں میں طرفین کے قول کو اختیار کیا ہے اور اس کو متعدّد وجوہ سے ترجیح دی ہے۔ اور اسی پر عمل کو واجب قرار دیا ہے اور ایک دوسرے فتویٰ میں قولِ امام ابو یوسف کو ترجیح دی ہے اور اس کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ جن فتاویٰ میں قول طرفین پر عمل واجب قرار دیا ہے ان میں ایک فتویٰ ۱۳۱۷ھ میں اور دوسرا فتویٰ ۱۳۲۶ھ میں صادر کیا گیا ہے اور جس فتویٰ میں قولِ امام ابو یوسف کو معمول اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے، وہ فتویٰ ۱۳۳۶ھ میں جاری کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے قولِ امام ابو یوسف کو ترجیح دینا اور مفتیٰ بہ قرار دینا ہی متاخر ہے؛ لہٰذا اسی پر عمل واجب ہوگا“۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

”ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ایجاب وقبول دونوں رکنِ کفالت ہیں، تنہا کفیل کے قبول والتزام مطالبہ سے وہ کفیل نہیں ہوجاتا جب تک اس کے ساتھ مکفول لہٗ کا اسے قبول کرنا بھی نہ ہو، خواہ وہ خود قبول کرے یا اس کی طرف سے دوسرا اگر چہ فضولی، ولہٰذا اگر اس مجلس میں قبول نہ پایا جائے تو کفالت باطل ہوجاتی ہے، پھر بعدِ مجلس اگر مکفول لہٗ سو بار قبول کرے کچھ مفید نہیں۔ فتویٰ یہاں مختلف ہے اور فتویٰ جب مختلف ہو تو قولِ امام پر عمل واجب۔ كما نص عليه في البحر الرائق والخيرية و غيرهما وقد بيناه في النكاح من فتاؤنا“۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۲۸۰، رضا اکیڈمی، ممبئی]

ایک دوسرے مقام پر اس طرح فرماتے ہیں:

”اقول: ہمارے نزدیک یہ تفصیل بھی عند التحقیق قولِ طرفین پر مبنی ہے کہ کفالت بے قبولِ طالب ناتمام مانتے ہیں قولِ مفتیٰ بہ پر جب کہ کفالت صرف قولِ کفیل سے تمام ہوجاتی ہے اگر چہ طالب کی رضا نہ ہو تو مطلوب کی اجازتِ لاحقہ نہ ہوگی مگر بعدِ تمام عقد اور وہ تبرعاً واقع ہولیا تو اب متغیّر نہ ہوگا۔

عالمگیریہ میں ہے:

الكفالة ركنها الإيجاب والقبول عند أبي حنيفة ومحمد وهو قول أبي يوسف أولاً، ثم رجع وقال: تتم بالكفيل وحده .كذا في المحيط ، ورضا الطالب ليس

بشرط عنده وهو الأصح. كذا في الكافي، وهو الأظهر كذا في فتح القدير. وفي البزازية وعليه الفتوىٰ كذا في النهر الفائق. وهٰكذا في البحر الرائق".

[فتاویٰ رضویہ، ج: ۷، ص: ۲۷۵]

عقدِ کفالہ صحیح نہ ہونے کی دوسری وجہ:

عقدِ کفالت کے وقت مکفول لہٗ مجہول ہوتا ہے، ضامن یعنی بینک کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بی جی ہولڈر کس کمپنی یا کس شخص سے خریداری کرے گا، جب کہ صحتِ کفالت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مکفول لہٗ معلوم ہو۔

درمختار میں ہے:

لا تصح الكفالة بجهالة المكفول لهٗ.

[ج:۷،ص:۵۸۹]

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الذي يرجع إلى المكفول له. فأنواع منها أن يكون معلوما حتى أنه إذا كفل لأحد من الناس لاتجوز لأن المكفول له إذا كان مجهولًا لايحصل ماشرع له الكفالة وهو التوثق. [بدائع الصنائع، ج: ٤، ص: ٦٠٦]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

القسم الثالث ما يرجع إلى المكفول له فمنه أن يكون معلوما كذا في البدائع فإذا قال الرجل لرجلين: كفلت هٰذا بماله علىٰ فلان وهو ألف درهم أولهٰذا بماله عليه فهو باطل لجهالة المكفول له. هٰكذا في الذخيرة.

[الفتاوى الهنديه، ج: ٣، ص: ٢٥٤،]

البحر الرائق میں ہے:

وأما شرائط المكفول له فالأول أن يكون معلوما. الثاني وجوده في مجلس العقد وهو شرط الانعقاد.

[البحر الرائق، ج: ٦، ص: ٣٤٥]

فتح القدیر میں ہے:

والحاصل أن جهالةَ المكفول له تمنع صحةَ الكفالة مطلقا وجهالةَ المكفول به لا تمنعها مطلقا وجهالةَ المكفول عنه في التعليق والإضافة تمنع صحةَ الكفالة وفي التنجيز لا تمنع. [فتح القدير، ج: ٧، ص: ١٧٢]

☆ مولانا قاضی شہید عالم رضوی صاحب نے اس وجہ فساد کو "اشتباہ" کے عنوان سے ذکر کیا ہے، پھر "رفع اشتباہ" کے عنوان سے اس کا جواب بھی دیا ہے، جو درج ذیل ہے:

"بینک گارنٹی لیٹر جاری کرنے کے وقت اگرچہ مکفول لہٗ معلوم و متعیّن نہیں ہوتا، لیکن مکفول عنہ یعنی بی جی ہولڈر جب مال خریدتا ہے یا ٹھیکہ لیتا ہے تو اس وقت مکفول لہٗ معلوم و متعیّن ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے جو مکفول لہٗ کی جہالت پائی جاتی ہے وہ مفضی الی المنازعۃ نہیں، جہالت مفضی الی المنازعۃ ہونے ہی کی بنا پر مفسد ہوا کرتی ہے، ورنہ نہیں۔ نیز تھوڑی جہالت کا کفالت میں تحمل روا ہے، وہ مفسد نہیں۔ اور اس لیے بھی کہ کفالت کا جواز مبنی بر عرف ہے اور اس طرح کی کفالت متعارف ہے اور عرف میں اس جہالت کو مؤثر بھی نہیں مانا جاتا؛ لہٰذا امام ابو یوسف کے مذہب کے مطابق مکفول لہٗ کی جہالت مفسد نہ ہوگی۔

بدائع میں ہے:

وإن كان التاجيل إلى وقت مجهول فإن كان يُشبه آجال الناس كالحَصاد والدِّياس والنَّيْروز ونحوِه فكفل إلى هٰذه الأوقات جازعند أصحابنا. وعند الشافعي رحمه الله لا يجوز.

وجه قوله أن هٰذا عقد إلى أجل مجهول فلا يصح كالبيع. ولنا أن هٰذا ليس بجهالة فاحشة فتحملها الكفالة وهذا؛ لأن الجهالة لا تمنع من جواز العقد لعينها بل لإفضائها إلى المنازعة بالتقديم والتاخير وجهالة التقديم والتاخير لاتفضي إلى المنازعة في باب الكفالة؛ لأنه يسامح في أخذ العقد مالا يسامح في غيره لإمكان استيفاء الحق من جهة الأصيل بخلاف البيع ولأن الكفالة جوازها بالعرف والكفالة إلى هٰذه الآجال متعارفة.

[بدائع، ج: ٤، ص: ٦٠٢]

عقدِ کفالہ صحیح نہ ہونے کی تیسری وجہ:

کفالت کو ایسی شرط سے مشروط کرنا صحیح ہے جو اس کے ملائم و مناسب ہو اور مقتضائے عقد کے خلاف نہ ہو، مثلاً ایسی شرط ہو جو لزوم مال یا ظہورِ حق یا ادائگی مال کا سبب و وسیلہ ہو، اور یہاں کفالت کو شرطِ عوض سے مشروط کیا گیا ہے اور یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور منجر الی الربو کی وجہ سے فاسد ہے اور یہ شرط فاسد صلبِ عقدِ کفالت میں ہونے

کی وجہ سے کفالت باطل وناجائز ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

وفي الخلاصة كفل بماله على أن يجعل له الطالبُ جُعلا فإن لم يكن مشروطا في الكفالة فالشرط باطل وإن كان مشروطا فيها فالكفالة باطلة. اهـ. هٰذا يفيد أنها تبطل بالشروط الفاسدة إذا كانت في صلبها. اهـ. وهٰكذا في معراج الدراية ونقل في البناية ما في العناية والمعراج ولم يتعقبه. [البحر الرائق، ج: ٦، ص: ٣٧٢]

منحة الخالق میں ہے:

كفل رجل عن رجل على أن يجعل له جُعلا فهٰذا على وجهين إما أن يكون الجعل مشروطا في الكفالة أو لا، فإن لم يكن مشروطا في الكفالة فالجعل باطل والكفالة جائزة. أما الجعل باطل؛ لأن الكفيل مقرض في حق المطلوب، وإذا شرط له الجعل مع ضمان المثل فقد شرط له الز يادة على ما أقرضه فهو باطل؛ لأنه ربا. والكفالة جائزة لأنها مطلقة غير معلقة بالجعل فأما إذا كان الجعل مشروطا في الكفالة ذكر أن الجعل باطل والكفالة باطلة. [منحة الخالق، ج:٦، ص: ٣٧٢، ٣٧٣]

تنویر ودر مختار میں ہے:

أوعلقت بشرط صريح ملائم أي موافق للكفالة بأحد أمور ثلاثة بكونه شرطا للزوم الحق أو شرطا لإمكان الاستيفاء أوشرطا لتعذره فهٰذه جملة الشروط التي يجوز تعليق الكفالة بها. ولاتصح إن علقت بغير ملائم نحوإن هبت الريح أوجاء المطر؛ لأنه تعليق بالخطر فتبطل ولا يلزم المال. [ج:٧، ص ٥٨٥ تا ٥٨٧ ملخصا]

عقدِ کفالہ صحیح نہ ہونے کی چوتھی وجہ:

اس معاملے میں بینک کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ جب وہ چاہے مدت کفالت کے اندر اپنی ضمانت ختم کردے، جب کہ عقد کفالت میں کفیل اس وقت تک بری نہیں ہوتا جب تک کہ اصیل یا خود کفیل طالب کو دَین ادا نہ کردے یا طالب دونوں کو یا صرف کفیل یا اصیل کو مطالبۂ حق سے بری نہ کردے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

أماالكفيل بالمال فإنما يخرج عن الكفالة بأحد أمر ين أحدهما أداء المال إلى الطالب أو ما هو في معنى الأداء سواء كان الأداء من الكفيل أومن الأصيل ... والثاني الإبراء وما هو في معناه فإذا أبرأ الطالب الكفيل أو الأصيل خرج عن الكفالة غير أنه إذا أبرأ الكفيل لا يبرأ الأصيل. [ج:٤، ص:٦١٣]

علاوہ ازیں مدت کفالت کے اندر کفیل کا اپنی ضمانت اٹھالیناطالب ومکفول لہٗ کو غَرر وضَرر سے دو چار کرنا ہے؛ کیوں کہ یہ ممکن تھا کہ وہ مکفول عنہ کو ادھار پر سامان فروخت نہیں کرتا، اور ضرر ودھوکہ دیناناجائز ہے۔

قال النبي ﷺ: لاضَرر ولاضِرار في الإسلام. أخرجه المالك في المؤطا عن عمرو بن يحيىٰ عن أبيه مرسلا. وقال: ليس منا من غش مسلما أو ضره أوما كَره. رواه الإمام الرافعي عن أمير المؤمنين علي كرم الله وجهه.

عقدِ کفالہ صحیح نہ ہونے کی پانچویں وجہ:

وقت مقرر پر ادا نہ کرنے کی صورت میں بینک، بی.جی ہولڈر سے جرمانہ بھی وصول کرتا ہے اور یہ ناجائز، بلکہ سود ہے۔

قال النبي ﷺ: كل قرض جرمنفعة فهو ربا.

البحر الرائق میں ہے:

والحاصل أن المذهب عدم التعز ير بالمال.

[ج:٥، ص:٦٨]

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

فإن أئمتنا لايقولون بالتعزير بالمال. وعلى القول به فذٰلك للإمام دون العوام.

[ج:٩، نصف اول، ص:٤٣]

عقدِ کفالہ صحیح نہ ہونے کی چھٹی وجہ:

کفالت میں کفیل بالمال کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے قرض کا اصیل سے مطالبہ کرے جب تک کہ وہ مکفول لہٗ کو اس کا دَین ادا نہ کردے اور یہاں بینک اس کی ادائگی سے قبل مکفول عنہ سے مطالبہ کرتا رہتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

ولیس للکفیل أن یطالب المکفول عنه بالمال قبل أن یودي عنه ؛ لأنه لایملکه قبل الأداء.
[ج:۳،ص:۱۱۸]

در مختار میں ہے:

ولایطالب کفیل أصیلا بمال قبل أن یودي الکفیل عنه؛لأن تملکه بالأداء.نعم! للکفیل أخذ رهن من الأصیل قبل أدائه.[ج:۷،ص:۵۹۹]

عقدِ کفالہ صحیح نہ ہونے کی ساتویں وجہ:

اصیل ومکفول لہٗ میں سے کسی کی موت ہوجانے پر بینک کی جانب سے ضمانت ختم ہونے کی شرط ہوتی ہے جب کہ مکفول لہٗ کی موت سے کفالت ختم نہیں ہوتی۔

البحرالرائق میں ہے:

وأما موت الطالب فلا یبطلها ، لأن وصیه ووارثه یخلفونه .[ج:۶،ص:۳۵۴]

بینک کی حیثیت ایجنسی یادلالی یاوکالت کی نہیں

☆بی جی کے اجرامیں بینک ایجنٹ یادلال اس لیے نہیں کہ ایجنٹ یادلال کی حیثیت خریدوفروخت میں بائع ومشتری کے مابین محض واسطہ کی ہوتی ہے،ایجنٹ اس بات کا ذمہ دار نہیں ہوتا کہ اگر وقت معین پر مشتری ثمن کی ادائگی نہ کرے تو وہ خود بائع کو ثمن اداکرے گا،جب کی بینک گارنٹی لیٹر کے اجرامیں بینک اس بات کی ضمانت لیتا ہے کہ اگر میعاد کے مطابق مشتری ثمن ادانہیں کرے گا تو بینک اپنی طرف سے ثمن ادا کرے گا۔

☆ بی جی کے اجرامیں بینک کی شرعی حیثیت ”وکیل “کی بھی نہیں۔یہ نہ بائع کاوکیل بالبیع ہے،نہ وکیل بالقبض،نہ وکیل بالتقاضی۔ وکیل بالبیع اس لیے نہیں ہے کہ اس میں بائع کو مشتری سے مطالبۂ ثمن کا حق نہیں ہوتا ، حالاں کہ” بینک گارنٹی لیٹر“ میں بائع کو مشتری اور بینک دونوں سے مطالبۂ ثمن کا حق ہوتا ہے۔

وکیل بالقبض اس لیے نہیں ہے کہ وہ بھی اپنی طرف سے ادائگی ثمن کا ذمہ دار نہیں ہوتا،وہ دَین کے تقاضااور مشتری سے ثمن وصول کرکے بائع کو دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔اسی طرح وکیل بالتقاضی بھی نہیں،کیوں کہ وہ بھی اپنی طرف سے ادائگی ثمن کا ذمہ دار نہیں ہوتا، وہ دَین کے تقاضااور مشتری سے ثمن وصول کرکے بائع کو دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

☆ ”بینک گارنٹی لیٹر“میں بینک ابتداءً مقرض نہیں ہوتا، اس سے یہ سمجھنا کہ یہ ”کفالہ“نہیں ہے ،بلکہ ایجنسی ، دلالی یا وکالت ہے ،غلط ہے ؛کیوں کہ کفالت میں ابتداءً کفیل مکفول عنہ (مشتری) سے ثمن کا مطالبہ کرکے بائع کو اداکرنے کی کوشش کرتا ہے اور وقت مقررہ پر ثمن وصول نہ ہونے کی صورت میں معاہدے کے مطابق مکفول عنہ کوقرض دے کراس کی طرف سے ثمن اداکرتا ہے، جب کہ ایجنسی ودلالی اور وکالت میں مشتری کا میعاد گزرنے پر قرض دے کر اس کی طرف سے دَین ادا کرنے کا معاہدہ نہیں ہوتا۔اگر دلال یاوکیل بائع کے لیے ثمن کی ادائگی کی ذمہ داری لے بھی،تو یہ باطل ہے۔جیساکہ در مختار کتاب الکفالۃ میں ہے:

وأفتیت بأن ضمانَ الدلال والسمسارالثمنَ للبائع باطل ؛ لأنه وکیل بالأجر.وذکروا أن الوکیل لایصح ضمانه ؛لأنه یصیر عاملا لنفسه فلیحرر.اھ.

☆ بینک کی حیثیت ایجنسی کی نہیں جس میں ایجنٹ محض رقم دلوانے کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ بینک نے جب گارنٹی لیٹر جاری کیا،اس وقت بی جی ہولڈر پر کسی کی رقم واجب ہی نہیں کہ بینک اس رقم کے دلوانے کا ذمہ دار ہوسکے۔ہاں!حسبِ معاہدہ جب بی جی ہولڈر سامان خریدے گا،بینک بائع کو رقم دلوائے گا اور بی جی ہولڈر کی طرف سے بینک رقم اداکردے گا تو اس وقت مقرض قرار پائے گا۔اس صورت میں بینک نے جس کی رقم دلوانے کی ذمہ داری لی ہے وہ ابتداءً متعیّن نہیں ہے،پھر ذمہ داری کیسی؟

علاوہ ازیں بینک کوکس کا ایجنٹ قرار دیا جائے؟بی جی ہولڈر کا یا بائع کا؟بی جی ہولڈر کا ایجنٹ تو ہو نہیں سکتا کہ بینک ،بی جی ہولڈر کو رقم نہیں دلوائے گا،بلکہ اس سے رقم دوسرے کو دلوائے گا اور بائع کا ایجنٹ قرار دیا جائے تو ابتداءً بائع اور بینک کے درمیان کوئی معاہدہ ہوا ہی نہیں ،پھر اسے ایجنٹ یا ذمہ دار کیسے قرار دیا جائے؟اور حیرت تو یہ ہے کہ وہ ایجنٹ سامان فروخت کرنے والے کا ہو اور فیس گارنٹی لیٹر کے عوض بی جی ہولڈر سے لے۔خلاصہ یہ کہ یہاں ایجنٹ والی صورت نہیں پائی جاتی۔

☆مفتی آل مصطفیٰ مصباحی صاحب نے اپنے تفصیلی مقالہ

میں "بی جی" سے متعلق عربوں کی ایک مؤتمر "المؤتمر الإسلامی" کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد اس پر کلام بھی فرمایا ہے جو درج ذیل ہے:

مؤتمر کا فیصلہ: مؤتمر کی رائے میں گارنٹی لیٹر وکالت (ایجنسی) اور کفالت پر مشتمل ہے، کفالت میں اجرت لینا جائز نہیں، لیکن وکالت پر اجرت لینا جائز ہے۔ وکالت جاری کرنے میں ان اخراجات کی رعایت کی جائے گی جو بینک اجراے وکالت کے سلسلے میں برداشت کرتا ہے؛ کیوں کہ بینک، گارنٹی لیٹر جاری کرنے میں عادۃً بینکنگ عرف کے مطابق کچھ کام انجام دیتا ہے، خاص طور سے معلومات یکجا کرنا اور اس منصوبے کا مطالعہ جس کے لیے خصوصیت کے ساتھ بینک گارنٹی لیٹر دیتا ہے، اسی طرح اس منصوبے سے متعلق ان بینکنگ سروسز کو بھی انجام دیتا ہے جو اسے ایجنٹ سپرد کرتا ہے جیسے منصوبے کے ذمہ داروں سے واجب الادا رقوم کی تحصیل۔ اس اجرت کی مقدار کی تعیین بینک کرتا ہے۔

فیہ نظر: اس میں شبہہ نہیں کہ وکالت (ایجنسی) پر اجرت لینا جائز ہے اور کفالت پر اجرت لینا جائز نہیں، لیکن جہاں تک بینک گارنٹی اور اس پر لی جانے والی فیس کا معاملہ ہے، تو بی جی سے متعلق فراہم تفصیلات کی روشنی میں اس فیس کو ایجنسی و وکالت کی فیس قرار دینا صحیح نہیں۔ ہاں! رقم کے کچھ حصے کو بینک کی مذکورہ محنت اور تگ و دو اور دفتری کارروائی کا معاوضہ قرار دے سکتے ہیں۔ مگر سوال نامہ میں اس کی صراحت ہے کہ بینک دفتری کارروائیوں پر فیس نہیں لیتا، وہ گارنٹی کے عوض فیس لیتا ہے۔ اور دفتری کارروائیوں پر فیس لینا مان بھی لیا جائے تو یہ کلی طور پر نہیں، بلکہ کچھ ہی رقم وہ کارروائیوں کے عوض لیتا ہے، لیکن اس کے ساتھ بینک کمیشن بھی لیتا ہے، بلکہ کمیشن کی رقم زیادہ ہوتی ہے اور یہ وہ کمیشن ہے جو خاص کفالت کے لیے لیا جاتا ہے جو ناجائز ہے؛ لہٰذا پوری رقم کو وکالت وایجنسی کی محنت کی اجرت قرار دینا اور اس معاملہ بینک کو بے کسی تفصیل وتقیید وشرط کے مطلقاً جائز ٹھہرانا سخت محل نظر ہے۔

دوسرا سوال اور اس کے جوابات

دوسرا سوال ہے: اگر "بینک گارنٹی لیٹر" کی حیثیت کفالہ کی ہو تو کیا موجودہ حالات کے پیشِ نظر ایک مسلمان کے لیے جائز ہے کہ عوض دے کر ایسی گارنٹی حاصل کرے؟

اس سوال کے جواب میں ہمارے مندوبین کرام فرماتے ہیں:

بینک گارنٹی لیٹر کی حیثیت "کفالہ" کی ہے، مگر یہ کفالہ باطل ہے؛ اس لیے اَصالۃً ایک مسلمان کے لیے ایسی گارنٹی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن اب اس کے جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ان کے آرا مختلف ہیں۔

پہلی رائے: (جواز کی کوئی صورت نہیں کہ یہ سود و رشوت ہے)

ایک مسلمان کے لیے روا نہیں کہ عوض دے کر ایسی گارنٹی حاصل کرے؛ کیوں کہ اس کے جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ان میں مولانا شبیر احمد مصباحی فرماتے ہیں:

موجودہ حالات کے پیشِ نظر ایک مسلمان کو روا نہیں کہ عوض دے کر ایسی گارنٹی حاصل کرے، بی جی ہولڈر بینک گارنٹی کی وصول یابی کے لیے بینک کو جو فیس دیتا ہے وہ رشوت ہے اور شریعتِ اسلامیہ میں رشوت کا معاملہ سود جیسا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

رشوت لینا مطلقاً حرام ہے کسی حالت میں جائز نہیں، جو پرایا حق دبانے کے لیے دیا جائے رشوت ہے، یوہیں جو اپنا کام بنانے کے لیے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے، لیکن اپنے اُوپر سے دفعِ ظلم کے لیے جو کچھ دیا جائے، دینے والے کے حق میں رشوت نہیں، یہ دے سکتا ہے، لینے والے کے حق میں وہ بھی رشوت ہے اور اسے لینا حرام۔

[جلد نہم، ص:۳۰۰]

اسی میں دوسری جگہ ہے:

یوں ہی اگر بعض قرض کے ساتھ ایسا کر سکے تو بعض ہی سہی کہ جتنی معصیت سے بچے یا جتنا مال حرام میں دینے سے محفوظ رہ سکے اس قدر کی تدبیر واجب ہے۔ [ج:۷، ص:۲۸۵]

اور مولانا قاضی شہید عالم رضوی لکھتے ہیں:

طرفین کے مذہب کے مطابق بی جی ہولڈر، گارنٹی لیٹر حاصل کرنے کے لیے جو فیس دیتا ہے وہ شرعاً رشوت ہے جو ناجائز و حرام ہے۔ اور امام ابو یوسف کے مذہب کے مطابق چوں کہ عقدِ کفالہ منعقد ہو جاتا ہے اور گارنٹی لیٹر عقدِ کفالہ کا وثیقہ ہے؛ لہٰذا کفالہ حاصل کرنے کے لیے جو فیس دی جاتی ہے وہ شمس الائمہ سرخسی کے بقول رشوت ہے اور رشوت حرام ہے۔ نیز یہ رشوت بھی وعدۂ قرض کی وجہ سے

دیتا ہے، بینک کے لیے اس کے حصول کا سبب قرض دینے کا وعدہ کرنا ہے؛ لہٰذا اس طرح یہ رشوت بھی رباہی کی طرف راجع ہوجاتی ہے۔ بائع یا ٹھیکہ دینے والا جب بینک گارنٹی لیٹر پڑھ کر قبول کرلیتا ہے تو اس وقت امام اعظم کے مذہب کے مطابق بھی عقدِ کفالت کا انعقاد ہوجاتا ہے اور علامہ ابن عابدین شامی نے علامہ رملی کے حوالہ سے منحة الخالق حاشية البحر الرائق میں اس فیس کو ربا سے ملحق قرار دیا ہے۔

الحاصل خواہ ربا سے ملحق ہو یا رشوت ہو، حرام دونوں طرح سے ہے، ایسی صورت میں گارنٹی لیٹر حاصل کرنے میں فعلِ حرام کا ارتکاب لازم آئے گا۔ البتہ ایک بحث یہ رہ جاتی ہے کہ حکومتِ ہند کے بینکوں سے یا ایسے بینکوں سے جن میں کوئی مسلم شریک نہیں ہے گارنٹی لیٹر حاصل کرے تو شرعاً کیا حکم ہے، کیا اب بھی حرام وناجائز ہوگا؟

جواب: رشوت دینا تو حرام ہے خواہ مومن کو دی جائے یا کافرِ حربی کو؛ اس لیے کہ رشوت کا حرام ہونا اس طرح کی کسی قید سے مقید نہیں ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس پر ربا کی تعریف صادق آرہی ہے؛ اس لیے کہ جب زائد رقم کافرِ حربی کو دی جائے تو اس زائد مال پر کافرِ حربی کا استحقاق اباحتِ اصلیہ کی بنا پر نہیں کہ یہاں مسلمان کا مال مباح نہیں ہے، معصوم ہے، بلکہ اس زائد مال پر کافر حربی کا استحقاق عقدِ معاوضہ ہی کی وجہ سے ہوگا؛ اس لیے کفالت اگر مکفول عنہ کے حکم سے ہو تو ابتداءً تبرع اور انتہاءً معاوضہ ہے جیساکہ قرض ابتداءً تبرع اور انتہاءً معاوضہ ہے، اور ایسی زیادت جس پر استحقاق عقدِ معاوضہ کی وجہ سے ہو اور عوض سے خالی ہو وہ شرعاً ربا ہے؛ اس لیے اس فیس پر ربا کی تعریف صادق آرہی ہے۔ نیز کل قرض جر منفعة فهو ربا کے تحت داخل ہے؛ اس لیے اس کے جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جیساکہ بدائع الصنائع، فتح القدیر اور منحة الخالق میں " لا ربا بين المسلم والحربي" سے متعلق عبارتوں سے ظاہر ہے۔ صاحبِ فتح القدیر نے نظرا إلى العلة کہ کر اس کو ربا قرار دیا ہے، علامہ کاسانی کے نزدیک بھی وہ ربا ہے اور علامہ شامی نے ربا ہی کو راجح قرار دیا ہے؛ لہٰذا یہ ربا اور ناجائز ہے۔

[مقالہ مولانا قاضی شہید عالم رضوی، ص:۷،۶]

دوسری رائے: (حاجت شرعی کے وقت اجازت)

ضرورتِ شرعیہ یا حاجتِ شرعیہ ہو تو عوض دے کر ایسی گارنٹی حاصل کرنا جائز ہوگا۔ ــــــ یہ نظریہ ۳؍ علمائے کرام کا ہے۔ ان میں محمد رفیق عالم رضوی لکھتے ہیں:

بلا حاجتِ شرعیہ مسلمانوں کے لیے اس طرح کا گارنٹی لیٹر حاصل کرنا جائز نہ ہوگا۔ قال تعالیٰ:

ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة۔

اور فتاویٰ رضویہ میں ہے:

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربا. [ج:۷،ص:۱۱۰]

مولانا محمد انور نظامی لکھتے ہیں:

ضرورتِ صحیحہ کی صورت میں جائز ہوسکتا ہے۔

مفتی رضاء الحق اشرفی مصباحی لکھتے ہیں:

جس تاجر کو اس کی حاجت ہو، اس کے لیے جائز ہے۔

تیسری رائے: (تعامل اور عموم بلویٰ کی وجہ سے جائز)

عوض دے کر ایسی گارنٹی حاصل کرنا تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔ یہ نظریہ ۵؍ علمائے کرام کا ہے۔ اُن کے اسمائے گرامی اُن کے کلمات کے ساتھ درج ذیل ہیں:

(۱)- اس طرح کا گارنٹی لیٹر حاصل کرنے میں تاجروں، ٹھیکہ داروں اور کمپنیوں کا تعامل وابتلا ہے تو تاثیم امت کے حرج سے بچنے کے لیے اس کے جواز کی راہ نکل سکتی ہے۔ [قاضی فضل احمد مصباحی]

(۲)- ابتلائے عام کی وجہ سے تعاملِ ناس ہوگیا ہے، پس عمومِ بلویٰ کے ضمن میں مان کر جواز کا قول کرنا بہتر ہے۔

[مولانا عبد السلام رضوی مصباحی]

(۳)- آج پوری دنیا میں تاجروں، ٹینڈر کے ٹھیکہ داروں، چھوٹی بڑی کمپنیوں اور درآمد برآمد کرنے والوں کا عمل وابتلا ہے جیساکہ سوال نامے میں بیان کیا گیا ہے؛ اس لیے موجودہ حالات کے پیش نظر ایک مسلمان عوض دے کر بھی بینک گارنٹی لیٹر حاصل کرسکتا ہے۔

[محمد نوشاد مصباحی ازہری]

(۴)- جب شرع نے ابطالِ حق اور احقاقِ باطل سے خالی صورت میں رشوت دینے کی گنجائش رکھی ہے تو جہاں احیائے حقوق، دفعِ حرج، اور کئی ایک حاجتوں کے ساتھ ابتلائے عام بھی متحقق ہو تو ایسی صورت میں گارنٹی کے عوض رشوت دے کر بدرجۂ اولیٰ کاروبار کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ [مولانا ابرار احمد اعظمی]

(۵)- اکثر عوام کا اس پر عمل درآمد ہے اور تعاملِ ناس ہے جو

موجباتِ تخفیف میں سے ہے ؛اس لیے مسئلۂ مبحوث عنہا میں اسبابِ تخفیف کی بنیاد پر عوض دے کر ایسی گارنٹی لیٹر حاصل کرنا مسلمانوں کے لیے جائز ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے:

مارآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رآه المؤمنون قبيحا فهو قبيح عندالله.

[مولانا محمد مبشر رضا ازہر مصباحی]

☆ اس سلسلے میں تعامل کا رد کرتے ہوئے مفتی رضاء الحق اشرفی مصباحی فرماتے ہیں:

راقم کی رائے میں یہاں عموم بلویٰ کا تحقق نہیں ،کیوں کہ تمام تاجروں، ٹھیکہ داروں اور کاروباری کمپنیوں کا اس پر ابتلا نہیں۔ بہت سے بڑے تاجر، ٹینڈر بھرنے والے اور تجارتی کمپنیاں بینک سے گارنٹی لیٹر لیے بغیر بھی ادھار مال خرید کر تجارت کرتے ہیں؛ لہٰذا رخصت کا حکم عام نہیں ہوگا۔جس تاجر کو اس کی حاجت ہو اس کے لیے جائز ہے۔

چوتھی رائے:(فیس سے زیادہ کمانے کی صورت میں جائز)

ہندستان یا اس جیسے دوسرے ممالک میں عوض دے کر ایسی گارنٹی حاصل کرنا اس مسلمان کے لیے جائز ہے جو تجربہ کار تاجر ہو اور اسے ظن غالب ہو کہ فیس کے نام پر جو رقم بینک کو دے گا اس سے زیادہ وہ تجارت کر کے کمالے گا۔

یہ نظریہ ۶؍ علمائے کرام کا ہے۔ اُن کے اسمائے گرامی اُن کے کلمات کے ساتھ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)-اس کا حصول صرف اس مسلمان کے لیے جائز ہے جو تجربہ کار تاجر ہو اور اسے یہ ظن غالب ہو کہ فیس کے نام پر بینک کو جو نفع دینا پڑتا ہے اس کے مقابل تجارت اور ٹھیکہ سے زیادہ نفع کمالے گا۔

[قاضی فضل رسول مصباحی]

(۲)- مسئلۂ دائرہ میں مکفول عنہ بینک کو قلیل رقم دے کر کثیر حاصل کر رہا ہے۔ اور گارنٹی فیس، نفع رسانی کی نیت سے نہیں دے رہا ہے تو یہ جائز ہے، حدیث شریف میں ہے:

وإنما لكل امرء ما نوى. حدیثِ بالا کے تحت مکفول عنہ آثم نہیں ہوگا۔[مولانا منظور احمد خان عزیزی]

(۳)-یہ بالکل ظاہر ہے کہ گارنٹی لیٹر سے حاصل ہونے والا نفع اس فیس کے مقابلے میں جسے بی جی ہولڈر بینک کو دیتا ہے بہت زائد ہے؛ اس لیے ہندستان اور اس جیسے ممالک میں بینک گارنٹی لیٹر حاصل کرنا اور اس کے توسط سے کاروبار کرنا جائز ہونا چاہیے۔[مولانا محمد سلیمان مصباحی]

(۴)-جمہور فقہاے احناف کے نزدیک تحقق ربا کے لیے عصمتِ بدلین شرط ہے اور یہاں جیسا کہ مسلّمات سے ہے یہ شرط مفقود ہے؛اس لیے بینک کے دیے ہوئے قرض پر عوض اور نفع دینے کی شرط کے ساتھ گارنٹی لیٹر حاصل کرنا جائز ہے۔

ہاں! یہ گارنٹی لیٹر حاصل کرنا اس وقت جائز ہوگا جب مسلمان کو یہ یقین یا ظن غالب ہو کہ کمیشن کے طور پر جو زائد رقم وہ بینک کو دے گا اس سے کہیں زیادہ نفع وہ اپنے کاروبار سے اٹھالے گا جس کے لیے اس نے گارنٹی لیٹر حاصل کیا ہے۔اگر اس لیٹر سے انکم ٹیکس میں تخفیف ہو تو ایک جائز فائدہ یہ بھی مل جائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط جريان الربا، فمنها أن يكون البدلان معصومين ، فإن كان أحدهما غير معصوم لا يتحقق الربا عندنا.

[بدائع ، كتاب البيوع ، ج : ٤ ، ص : ٤١٦]

صاحبِ فتح القدیر فرماتے ہیں:

لايخفى أن هٰذا التعليل إنما يقتضي حلَّ مباشرة العقد إذا كانت الزيادة ينالها المسلمُ . . . وقد ألزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم مِن حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظرا إلى العلة وإن كان إطلاق الجواب خلافه.

[فتح القدير ، ج : ٧، ص : ٣٩]

(۵)-مقام غور یہ ہے کہ یہ معاملہ ایسے بینک سے ہوتا ہے جس کے قرض پر نفع حقیقۃً ربا اور سود نہیں کہ اس کے لیے عصمت بدلین شرط ہے كما هو مقرر في موضعه۔

گارنٹی معاملے میں یہ صورت نہیں؛ کیوں کہ بظاہر اگر چہ بینک کو زائد مال دیا جاتا ہے، لیکن اس سے کئی گنا منفعت مکفول عنہ بذریعۂ تجارت حاصل کر لیتا ہے اور بوقتِ عقدِ کفالت یہ منفعت مظنون بظن غالب ہوتی ہے اور ظن غالب پر فقہا مدارِ حکم رکھتے ہیں؛ لہٰذا وہ تاجر جسے اپنے حالات، اپنی تگ و دو اور کاروباری مضمرات کے باعث ظن غالب ہے کہ جتنا عوض ہم بینک کو دے رہے ہیں، اس سے زائد حاصل کر لیا

جائے گا تو شرعاً ایسے تاجر کو اس کی اجازت ہوگی۔[مفتی آل مصطفی مصباحی]

(۶)-موجودہ حالات میں اس کے جائز ہونے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) عمل وابتلا ہو۔ جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے۔

(۲) یا پھر نفعِ مسلم مظنون بظن غالب ہو۔

[مولانا محمد ممتاز عالم مصباحی]

تیسرا سوال اور اس کے جوابات

تیسرا سوال ہے: اور اگر "بینک گارنٹی لیٹر" کی حیثیت ایجنسی کی ہو جس میں بینک ایجنٹ ہو، تو کیا عوض وصول کرنا جیسا کہ وکالت اور دلالی میں ہوتا ہے درست ہے، اور کیا کسی مسلمان کے لیے اس طور پر عوض دے کر گارنٹی لیٹر حاصل کرنا صحیح ہے؟

یہ سوال کفالہ کے مقابلے میں ہے، یعنی اگر "بینک گارنٹی لیٹر" کی حیثیت کفالہ کی نہ ہو تو اس صورت میں عوض دے کر گارنٹی لیٹر حاصل کرنا کیسا ہے؟ ——اس لیے اس کا تعلق صرف ان حضرات سے ہے جو اسے کفالہ نہیں مانتے ہیں۔ وہ تین حضرات ہیں:

(۱) مفتی عبدالرحیم اکبری صاحب ——ان کے نزدیک یہ معاملہ یا تو عقدِ اجارہ ہے اور فیس اس کی اجرت ہے۔ یا یہ عقدِ بیع ہے اور فیس اس لیٹر کا ثمن ہے۔ بہر دو صورت عوض (اجرت یا ثمن) دے کر گارنٹی لیٹر حاصل کرنا صحیح ہے۔

(۲) مولانا محمد ہارون مصباحی صاحب۔ —— ان کے نزدیک یہ معاملہ عقدِ اجارہ، مشتمل بر معاہدۂ عقدِ قرض، مع ربا ہے اور ہر وہ عقد جو ربا پر مشتمل ہو وہ ناجائز و حرام ہوتا ہے: لہٰذا گارنٹی لیٹر کے واسطے سے خرید و فروخت کرنا یا ٹھیکہ وغیرہ کا معاملہ کرنا اصل حکم کی رو سے ناجائز و حرام ہوگا؛ کیوں کہ بی. جی ہولڈر اگر چہ فی الوقت مقروض نہیں بن رہا ہے، لیکن انتہائی مقروض ہو سکتا ہے اور اس مرحلے میں اسے تاخیر کی صورت میں انٹرسٹ دینا ہوگا۔

ہاں! بعض صورتوں میں جواز ہے، مثلاً: بی.جی ہولڈر اس قدر ماہر و تجربہ کار ہے کہ اسے اس بات کا یقین یا ظن غالب ہے کہ وہ مقررہ مدت تک تھرڈ پارٹی کو رقم ادا کر دے گا یا کام پورا کر دے گا۔ یا اسے اس بات کا یقین یا ظن غالب ہے کہ اگر مقررہ مدت تک رقم نہ بھی دے پایا اور تاخیر کی صورت میں بینک کو قرض کی رقم کے ساتھ انٹرسٹ بھی دینا پڑا تب بھی وہ اس مدت میں اتنا نفع کما لے گا جو انٹرسٹ سے زیادہ ہی ہوگا۔

(۳) مولانا محمد نظام الدین قادری صاحب۔ —— ان کے نزدیک اس معاملہ کی حیثیت زیادہ سے زیادہ تحریری میثاق کی شکل میں ایک وعدہ ہے۔ "بینک گارنٹی لیٹر" وعدہ کی ایک تحریری دستاویز ہے جس کو آدمی خرید رہا ہے، اور چوں کہ اس دستاویز کو مخصوص نمبرات پر مشتمل محفوظ بانڈ پیپر پر جاری کیا جاتا ہے: اس لیے بیچنے والوں کی نظر میں اس کاغذ کو وقعت و اہمیت حاصل ہے جس کو وقت حاجت کے لیے محفوظ رکھا جاتا ہے اور اس طرح اس کاغذ پر مال کی حقیقت صادق آتی ہے؛ لہٰذا مسلمان کے لیے اس کاغذ کا خریدنا جائز ہونا چاہیے۔ فقہ کا مشہور جزئیہ ہے: لو باع کاغذۃ بألف یجوز و لا یکرہ.

چوتھا سوال اور اس کے جوابات

چوتھا سوال ہے: بہر تقدیر گارنٹی لیٹر کے واسطے سے خرید و فروخت یا ٹھیکہ وغیرہ کا معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں ہمارے علمائے کرام دو رائے رکھتے ہیں:

پہلی رائے: (اجازت نہیں)

گارنٹی لیٹر کے واسطے سے خرید و فروخت یا ٹھیکہ وغیرہ کی شرعاً اجازت نہیں۔ ———— یہ رائے مولانا قاضی شہید عالم رضوی، بریلی شریف کی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"مال بیچنے والے یا ٹھیکہ دینے والے کو "بینک گارنٹی لیٹر" دیکھنے کے بعد اس بات کا اعتماد ہو جاتا ہے کہ مبیع کا ثمن وصول ہو جائے گا اور ٹھیکہ کا کام پورا کر دیا جائے گا، ورنہ بینک کی جانب سے نقصان کی تلافی کر دی جائے گی۔ اسی اعتماد کی بنا پر مال بیچنے والے یا ٹھیکہ دینے والے کی جانب سے ایک مقررہ مدت تک ادائگی کی شرط پر بی.جی ہولڈر کو مال بیچ دیا جاتا ہے یا ٹھیکہ دے دیا جاتا ہے، دوسری کوئی ایسی شرط نہیں لگائی جاتی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، لہٰذا یہ بیع و اجارہ مطلق منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اس بیع اور اجارہ کا حصول بینک گارنٹی لیٹر پر موقوف ہے اور گارنٹی لیٹر فیس دینے پر موقوف، فیس رشوت یا ربا، اس طرح یہ بیع و اجارہ رشوت یا ربا پر موقوف ہوا۔ بیع و اجارہ اگر چہ مباح ہے، لیکن مسئلۂ دائرہ میں رشوت یا سود دیے بغیر حاصل نہیں؛ اس لیے یہاں اس کی اجازت نہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: لکڑی جنگل سے مفت مل سکتی ہے اور ایک شخص نہیں لینے دیتا جب تک اسے رشوت نہ دو، دینا حرام۔

البحرالرائق میں ہے:

وفی القنیة قبیل التحری "الظلمة تمنع الناس من الاحتطاب من المروج إلا بدفع شيء إليهم فالدفع والأخذ حرام ؛ لأنه رشوة.

[فتاویٰ رضویہ، ج:۱۰، نصف آخر، ص۲۰۱]

دوسری رائے: (اجازت ہے)

گارنٹی لیٹر کے واسطے سے خرید وفروخت یا ٹھیکہ وغیرہ کا معاملہ شرعًا جائز ہے۔ ـــــ یہ رائے باقی تمام مقالہ نگار علماے کرام کا ہے۔

ان میں بعض حضرات نے مطلقًا جائز لکھا ہے، بعض نے تعامل کو بنیاد بنایا ہے، بعض نے حاجت وضرورت کے وقت اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے نفع مسلم کی صورت میں اسے جائز کہا ہے:

(۱)-مطلقًا جائز ہے، اس لیے کہ بینک گارنٹی لیٹر کا حصول ایک الگ عقد ہے جو بینک اور بی جی ہولڈر کے درمیان طے پاتا ہے اور خرید وفروخت یا ٹھیکہ ایک الگ عقد ہے جو بی جی ہولڈر اور بائع یا بی جی ہولڈر اور ٹھیکہ دینے والے کے درمیان طے پاتا ہے؛ لہٰذا بینک گارنٹی لیٹر کی وجہ سے بیع اور ٹھیکہ پر کوئی منفی اثر نہ پڑے گا، بلکہ وہ شرعًا جائز ودرست ہوگا۔

☆اصول الشاشی میں ہے:

وحرمة الفعل لاتنافي ترتب الأحكام عليه... ولوذبح شاة بسكين مغصوب يكون حراما ويحل المذبوح، ولو غسل الثوب النجس بماء مغصوب يكون حراما و يطهر به الثوب، ولووطي امرأة في حالة الحيض يكون حراما و يثبت إحصان الواطي و يثبت الحل للزوج الأول .[اصول الشاشی، ص:۵۲]

☆فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"یوں ہی اگر روپیہ ربا وغیرہ عقودِ فاسدہ سے حاصل کیا تھا اور اس کے عوض کوئی شے خریدی تو اس خریدی ہوئی شے میں خباثت نہ آئے گی"۔[فتاویٰ رضویہ، حصہ نہم، نصف اول، ص:۲۳۶]

گارنٹی لیٹر کے واسطے سے خرید وفروخت یا ٹھیکہ وغیرہ کا معاملہ شرعًا جائز ہے۔ جواز کی تفصیل حسب ذیل ہے:

گارنٹی لیٹر کے واسطے بیع ہوئی تو یہ بیع بشرط الضمان ہے یعنی بائع نے وقتِ بیع یہ شرط رکھ دی کہ مشتری ثمن کے لیے کوئی ضامن پیش کرے، اور ضامن نے اسی مجلس میں ضمانت قبول کرلی، یہ شرط اگرچہ مقتضاے عقد نہیں، مگر عقد کے مناسب ہے اور اس طرح کی شرط سے بیع فاسد نہیں ہوتی بشرطیکہ جس کو ضامن بتایا ہے اس نے اسی مجلس میں ضمانت قبول کر بھی لی۔

عالم گیری میں ہے:

واما ان كان شرطا لا يقتضيه العقد على التفسير الذي قلنا إلا أنه يلائم ذٰلك العقد ونعني به أنه يؤكد موجب العقد وذٰلك كالبيع بشرط أن يعطي المشتري كفيلا بالثمن والكفيل معلوم بالإشارة أوالتسمية حاضر في مجلس العقد فقبل الكفالة أوكان غائبا عن مجلس العقد فحضر قبل أن يتفرقا قبل الكفالة جاز البيع استحسانا .[فتاویٰ عالم گیری، ج:۳، ص:۱۳۳]

[۲]-تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔

[۳] -اگر مسلمان تاجر کو سامان ادھار خریدنے کی ضرورت یا شدید حاجت ہو اور یہ ضرورت وحاجت بینک گارنٹی لیٹر کے بغیر پوری نہ ہو، یا اس کے بغیر حرج لازم ہو یا ٹھیکہ دار کو ٹھیکہ بھرنے کے لیے بی جی کی ضرورت ہو تو اس کے واسطے سے خرید وفروخت اور ٹھیکہ وغیرہ کا معاملہ کرنا جائز ہے۔ اصول فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: الضرورات تبیح المحظورات اور الحاجة تنزل منزلة الضرورة۔

[۴]-غیر مسلم بینکوں کے جاری کردہ گارنٹی لیٹر کے واسطے سے خرید وفروخت یا ٹھیکہ کا معاملہ کرنا شرعًا انھیں مسلمانوں کے لیے جائز ہے جو اپنے کاروبار میں کامیاب ہوں اور انھیں یقین یا ظن غالب ہو کہ وہ مدتِ مقررہ کے اندر کمیشن کے نام پر جتنی فاضل رقم بینک کو دیں گے اس سے کہیں زیادہ وہ اپنے کاروبار سے کمالیں گے۔

یہ ہے اِس موضوع سے متعلق ۱۰۹؍ صفحات پر مشتمل ۲۰؍ مقالات کا خلاصہ۔ اب اِس کی روشنی میں مسئلۂ دائرہ کے حل کے لیے درج ذیل امور تنقیح طلب معلوم ہوتے ہیں۔

تنقیح طلب امور

(۱) "بینک گارنٹی لیٹر" کی شرعی حیثیت اور اس کا حکم کیا ہے؟[وعدۂ محض ، اجارہ، وکالہ، بیع، کفالہ؟]

(۲) کیا موجودہ حالات کے پیشِ نظر ایک مسلمان کے لیے اس قسم کے "بینک گارنٹی لیٹر" کے توسط سے کاروبار کرنا شرعًا جائز ہے؟

بینک اکاؤنٹ میں رقوم کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں؟

مولانا محمد صدر الوریٰ قادری

مجلسِ شرعی الجامعۃ الاشرفیہ کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے تیسرے فقہی سیمینار میں منافع بینک پر وجوبِ زکوٰۃ کا مسئلہ زیرِ بحث آیا تھا، جس پر کافی بحث و تحقیق کے بعد تمام شرکاے سیمینار علماے کرام و مفتیانِ عظام کے اتفاقِ رائے سے انشراحِ صدر کے بعد فیصلہ بھی صادر ہوا جس کا متن درج ذیل ہے:

> جب تک منافع کا لیجر بک میں اندراج نہیں اس پر زکوٰۃ نہیں، مگر لیجر بک میں کھاتے دار کے نام کے اندراج کے بعد وجوبِ زکاۃ ہوا یا نہیں؟ اس پر یہ بات سامنے آئی کہ راس المال سے زائد جو نفع ملتا ہے وہ مالِ مباح ہے اور وہ مسلم کے قبضہ کے بغیر اس کا مملوک نہیں ہوتا اور صرف لیجر بک میں لکھ دینے سے کھاتے دار کا اس پر قبضہ متحقق نہ ہوا اس لیے کہ قبضہ کی جو حقیقی، حکمی، مجازی صورتیں کتبِ فقہ میں بیان ہوئی ہیں، یہ ان میں سے کسی صورت میں نہیں آتا۔ ہاں لکھ دینے کی وجہ سے کھاتے دار کو یہ حق مل جاتا ہے کہ جب چاہے وہ اسے بینک سے نکال کر اپنے قبضہ میں لے لے۔ (مجلسِ شرعی کے فیصلے، ص:۱۵۵)

ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ منافع بینک کے تعلق سے تھا کہ لیجر بک میں منافع کی رقوم کے محض اندراج سے قبضہ متحقق نہ ہوگا، اس راس المال کے تعلق سے یہ فیصلہ نہیں تھا جس پر بینک سے زائد رقم ملتی ہے۔

لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ دیگر رقوم کے بارے میں بھی غور و خوض کیا جائے کہ لیجر بک میں ان کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں؟ اور حالاتِ زمانہ اور عرف کے اعتبار سے مذکورہ فیصلے کی روشنی میں بعض صورتوں میں دشواریاں بھی محسوس کی جانے لگیں جن کا ذکر مرتبِ سوال حضرت مولانا مفتی بدر عالم صاحب استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ نے سوال نامہ میں کیا۔

اس لیے اربابِ حل و عقد نے مجلسِ شرعی الجامعۃ الاشرفیہ کے بائیسویں فقہی سیمینار میں اس مسئلے کو بھی رکھا کہ لیجر بک پر رقوم کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں؟ اور مسئلہ کی تحقیق اور حالاتِ زمانہ اور عرف و تعامل سے ہم آہنگ صحیح شرعی حل نکالنے کے لیے ملک کے طول و عرض میں تحقیق و افتا کا کام انجام دینے والے علماے کرام اور مفتیانِ عظام کی بارگاہوں میں سوال نامہ بھیجا جن میں بائیس اربابِ تحقیق و افتا نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور مجلسِ شرعی کو مقالات ارسال کیے، ان میں بعض مقالے بہت مبسوط، بعض مختصر مگر جامع جب کہ بعض بین بین ہیں، بہر حال ان کے صفحات کی مجموعی تعداد ایک سو دس ہے۔

موضوع کے مختلف گوشوں کو زیرِ بحث لانے کے لیے چھ سوالات قائم کیے گئے:

پہلا سوال اور اس کے جوابات

قبضہ کا لغوی و شرعی مفہوم کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں علماے کرام نے کتبِ لغت اور کتبِ فقہ سے قبضہ کے لغوی و شرعی معنیٰ بیان کیے جو منصوص و مصرح ہیں، کسی نے از خود کوئی رائے زنی نہیں کی ہے اس لیے زبان و بیان کا اختلاف تو نظر آیا مگر معانی و مقاصد میں اتفاق و ہم آہنگی ہی دکھائی دی، جیسا کہ معنیٰ میں اتحاد و اتفاق کے باوجود الفاظ و عبارات کا اختلاف ہوتا ہے۔ دراصل زبان و بیان کا یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا ہے کہ کسی نے قبضہ کی تعریف بدائع الصنائع سے نقل کی ہے تو کسی نے بحر الرائق سے تو کسی نے ہدایہ سے، تو کسی نے رد المحتار سے، تو کسی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ سے، تو کسی نے الموسوعۃ الفقہیہ سے، جب کہ بعض اہلِ علم نے فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں قبضہ کی تعریف کی۔

بعض اہلِ علم نے تعریف کو مضبوط اور ٹھوس بنانے کے لیے کئی کتابوں کی عبارتیں ذکر کیں۔

بہر حال مقالوں ہی کے حوالے سے بعض تعریفیں نذر کی جاتی ہیں:

مولانا مسیح احمد قادری مصباحی لکھتے ہیں:

قبضہ کا لغوی معنیٰ کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا، قبضہ کا شرعی معنیٰ مبیع

رکن مجلسِ شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

اورمشتری کے درمیان موانع کا اس طرح مرتفع ہونا کہ مشتری مبیع میں تصرف پر قادر ہوجائے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلى وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشترى برفع الحائل بينهما علىٰ وجه يتمكن المشترى من التصرف فيه فيجعل البائع مسلّما للمبيع والمشترى قابضا له وكذا تسليم الثمن من المشترى إلىٰ البائع .

(كتاب البيوع، ص:٣٦١)

مولانا قاضی فضل احمد مصباحی لکھتے ہیں:

اصطلاح میں مبیع یا شئ موہوب کا اس طرح ہونا کہ مشتری یا موہوب لہ اسے اپنے ہاتھ میں لے لے یا کم ازکم اتنا فاصلہ ہو کہ ہاتھ بڑھا کر لے سکے اور کوئی مانع نہ ہو۔

مولانا مبشر رضا ازہر مصباحی نے مقدم الذکر تعریف سے ملتی جلتی تعریف کرنے کے بعد اس کے اثبات کے لیے "الفقه الاسلامی وأدلّته" سے درج ذیل عبارت نقل کی:

التسليم أو القبض معناه عند الحنفية: هو التخلية أو التخلى وهو ان يخلى البائع بين المبيع و بين المشترى برفع الحائل بينهما علىٰ وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشترى قابضا له.

یہ عبارت درحقیقت بدائع الصنائع ہی کی ہے، اس سے اور دیگر اقتباسات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ " الفقه الاسلامی وأدلّته" کے بنیادی مآخذ میں بدائع الصنائع ہے۔

بدائع کی مذکور بالا عبارت اکثر مقالہ نگار حضرات نے اپنے مقالوں میں نقل کی ہے۔

درِ مختار میں ہے:

"ثم التسليم يكون بالتخلية علىٰ وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط فى الاجناس شرطا ثالثا و هو أن يقول: خليت بينك و بين المبيع فلو لم يقله أو كان بعيدًا لم يصر قابضا والناس عنه غافلون فإنهم يشترون قرية و يقرون بالتسليم والقبض وهو لا يصح به القبض على الصحيح. (كتاب البيوع، مطلب فيما يكون قبضا للمبيع) (مقالہ مولانا خالد ایوب مصباحی)

مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی لکھتے ہیں:

ہاں اس تخلیہ کے قبضۂ تام ہونے میں بعض کا اختلاف ہے۔

بدائع میں ہے:

ثم لا خلاف بين أصحابنا فى أن أصل القبض يحصل بالتخلية فى سائر الأموال واختلفوا فى أنها هل هى قبض تام فيها أم لا وجملة الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون مما له مثل و إما أن يكون مما لا مثل له فإن كان مما لا مثل له من المذروعات و المعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف حتى لو اشترى مذروعا مذارعة أو معدودا معاددة ووجدت التخلية يخرج عن ضمان البائع و يجوز بيعه والانتفاع به قبل الذرع والعد بلا خلاف. (ج:٤، ص:٤٩٩)

مولانا ابرار احمد اعظمی بدائع سے قبضہ کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

تخلیہ سے جو قبضہ حاصل ہوتا ہے، اس کی تین شرطیں ہیں:

شرط اول: الفاظ تخلیہ یا اس کے قائم مقام کسی لفظ کا پایا جانا جو معنی تخلیہ کا افادہ کرے

شرط دوم: فروخت کی گئی شے کا خریدار کے روبرو اس طور پر ہونا کہ خریدار کسی مزاحمت کے بغیر اس فروخت شدہ شے کو لے سکے۔

شرط سوم: فروخت کی گئی شے کا کسی حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہونا۔

جد الممتار میں ہے:

قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: التخلية بين المبيع والمشترى تكون قبضا بشرائط ثلٰثة أحدها أن يقول البائع خليت بينك وبين المبيع فاقبضه، ويقول المشترى: قد قبضت، والثانى: أن يكون المبيع بحضرة المشترى بحيث يصل إلىٰ أخذه من غير مانع، والثالث: أن يكون المبيع مفرزا غير مشغول بحق الغير، (٦/ ١٦٦)

اور بھی بعض علماے کرام نے ان شرائط کا ذکر کیا ہے۔

مولانا محمد نظام الدین قادری قبضہ کے لغوی و شرعی معنی اور اشیا کے لحاظ سے اس کی مختلف صورتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لسان العرب میں ہے:

القبض : التناول للشئ بيدك ملا مسة، وقبض على الشئ و به يقبض قبضا: انحنى عليه بجميع كفه.

اسی میں ہے:القبضة ماأخذت بجميع كفك كله.

پھر لکھتے ہیں:

ظاہر ہے کہ قبضہ کوئی منقول شرعی نہیں ہے کہ شرع نے معنیٰ متعارف سے جدا کرکے اپنی وضع خاص میں اس کو کسی نئے معنیٰ کے لیے مقرر کیا ہو، لہٰذا اس کا وہی معنیٰ مراد لیا جائے گا جو عرف میں رائج ہو اسی وجہ سے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قبضہ کے بارے میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

فقہ حنبلی کی کتاب الشرح الکبیر میں ہے:

إذا كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضها باليد، و إن كان ثيابا فقبضها نقلها، و إن كان حيوانا فقبضه بمشيه من مكانه، و إن كان ما لا ينقل ويحوّل فقبضه التخلية بينه و بين مشتريه لاحائل دونه، ولأن القبض مطلق فى الشرع فيجب فيه الرجوع إلى العرف كالإحراز والتفرق، والعادة فى قبض هٰذه الأشياء ما ذكرناه. (ج:٤، ص:١٢٠)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و حاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففى نحو حنطة فى بيت مثلا فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفى نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبضٌ أي بأن تكون فى البلد فيما يظهر وفى نحو بقر فى مرعى فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبضٌ وفى نحو ثوب فكونه بحيث لو مدّيده تصل إليه قبض و فى نحو فرس أو طير فى بيت إمكان أخذه منه بلا معينٍ قبض. (ردالمحتار، ج:٧، ص:٩٦)

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

قال المالكية و الشافعية: قبضُ العقار كالأرض والبناء ونحوهما يكون بالتخلية بين المبيع و بين المشترى و تمكينه من التصرف فيه بتسليم المفاتيح إن وجدت و قبضُ المنقول كالأمتعة والانعام والدواب بحسب العرف الجارى بين الناس و قال الحنابلة قبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه أي انه يجب الرجوع فى القبض إلى العرف.(ج:٤، ص:٤١٩)[مقاله، ص:١]

سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی ناظم مجلسِ شرعی کتبِ حدیث، کتبِ فقہ اور کتبِ لغت سے متعدّد عبارتیں ذکر کرنے کے بعد قبضہ کے حقیقی اور حکمی معانی پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شریعت نے الفاظ کے وضعی مفاہیم کو بدلا نہیں بلکہ ان کو برقرار رکھتے ہوئے انھیں معانی میں استعمال کیا، یہ الگ بات ہے کہ کہیں کچھ امور کا اضافہ بھی کیا، مگر قبضہ کے مفہوم میں کوئی اضافہ نہیں ہے کہ یہ منقولات شرعیہ سے نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

والأصلُ إعمالُ الألفاظِ في مُقتضَياتها الحقيقية.

(الهداية ج ٣، ص ٥٢، اقاله، مجلس البركات)

فتح القدیر میں ہے:

الخطاب القرآني إنّما تعلُّقه باعتبار المفهوم اللغوي؛ لأن الخطاب مع أهل تلك اللغة بلغتهم يقتضي ذلك.

(فتح القدير ج ٢، ص ٣٠)

شمائم العنبر میں ہے:

القرآن العظيم إنما نزل بلسان عربي مبين ... فما فيه إلا ما كانوا يتحاورونه فيما بينهم غير ما ثبت فيه النقل الشرعي ... قال المحقق على الإطلاق في البحر: الخطاب إنما هو باللغة العربية ما لم يثبت نقلٌ كلفظ الصلاة ونحوه فيصير منقولًا شرعيًا. اهـ. ملتقطاً. (شمائم العنبر نفحه ٢٢)

ہمارے فقہائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبضہ کے جو حقیقی اور حکمی معانی بیان فرمائے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی معانی ہیں جو نزولِ قرآن اور ورودِ احادیث کے زمانے میں عرفِ عرب میں سمجھے جاتے تھے بلکہ بعید نہیں کہ یہ معانی خود کتاب وسنت کے اطلاقات میں ملیں۔ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تخلیہ کو قبضِ حکمی سے شمار فرمایا ہے اور بعد کے ائمہ نے اسے برقرار رکھا اور آج بھی وہ مفتیٰ بہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت یا عہدِ رسالت کے عرف سے ماخوذ ہے۔ توقبضہ کا جو لغوی مفہوم

ہے وہی شرعی مفہوم بھی ہے اور وہی عرفی مفہوم بھی۔ مگر عرف وہ جو نزولِ قرآن کے زمانے میں تھا کہ کتاب وسنت کے کلمات کے مفاہیم کی تعیین کے لیے عرف وہی معتبر ہے جو نزول قرآن یا ارشاد نبوت کے وقت کا عرف ہو جیسے آیۂ کریمہ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ سے عرفاً غسل بالماء اور اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً سے ماء مطلق سمجھا گیا تو وہ عرف اب بھی حجت ہوگا گو کہ اب یا کبھی عرف ناس اس کے خلاف ہو جائے۔ ہمارے فقہائے کرام کے کلام میں قبضہ کی تشریح کے ضمن میں شرعاً، عرفاً، عادۃً جو کلمات آئے ہیں ان سے مراد عہد نبوی کا عرف وعادت ہے کہ وہی مفہوم عرفی دراصل مفہوم شرعی ہے۔

دوسرا سوال اور اس کے جوابات

قبضہ کی شرعاً کتنی قسمیں ہیں، مثالوں کے ساتھ واضح فرمائیں اور اب عرف کی بنا پر کیا قبضہ کے مفہوم واقسام میں کچھ توسیع ممکن ہے؟

اس سوال کے جواب میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف نظر آیا اور وہ مختلف جماعتوں میں دکھائی دیے جس کی تفصیل یہ ہے:

پہلی جماعت: اس کا موقف یہ ہے کہ قبضہ کی شرعاً دو قسمیں ہیں: حقیقی، حکمی۔

المحیط البرہانی میں ہے:

والقبض نوعان: حقيقي و إنه ظاهر و حكمى و ذلك بالتخلية لأنها إذا كانت بحضرتها فقد تمكنت من قبضها حقيقة وهو تفسير التخلية وهٰذا قول محمد خاصة وعن أبي يوسف: التخلية ليست بقبض فى الهبة الصحيحة فأما فى الهبة الفاسدة فالتخلية ليست بقبض بلا خلاف .

(کتاب الھبة الفصل الثانی)(مقالہ مولانا خالد ایوب مصباحی، ص:۸)

الاشباہ والنظائر میں ہے:

الاستيلاء قسمان: حقيقي وحكمي. فالأول بوضع اليد، والثاني بالتهيئة، فإذا نصب الشبكة للصيد ملك ما تعقل. (مقالہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی)

یہ موقف اکثر اہلِ علم کا ہے۔ مگر واضح رہے کہ اس جماعت میں نکتۂ اتحاد صرف اس قدر ہے کہ قبضہ کی شرعاً دو قسمیں ہیں: حقیقی، حکمی۔ مگر کیا اس کے مفہوم واقسام میں توسیع ممکن ہے یا نہیں؟ اس مسئلے پر ان میں اتفاق نظر نہیں آتا، بلکہ ان کے نظریات میں اختلاف معلوم ہوتا ہے اور یہ تین طبقات میں نظر آتے ہیں:

پہلا طبقہ: اس طبقے نے قبضہ کی مذکورہ دونوں قسمیں تو بیان کیں مگر قبضہ کے مفہوم واقسام میں توسیع پر کوئی گفتگو نہ کی۔

مولانا مسیح احمد قادری لکھتے ہیں:

قبضہ کی شرعاً دو قسمیں ہیں۔ حقیقی، حکمی، قبضۂ حقیقی کی مثالیں مذکور ہوئیں، قبضۂ حکمی کی مثالیں جیسے جال میں پرندہ یا مچھلی، صندوق میں کپڑے ہبہ کر کے صندوق دے دیا اور قفل کھلا ہو۔

اس کے بعد مثبت یا منفی کوئی گفتگو نہ کی، یہی رخ اور بھی کچھ اہلِ قلم نے اختیار کیا ہے۔

دوسرا طبقہ: اس طبقے نے پہلے یہ بیان کیا کہ قبضہ کی شرعاً دو قسمیں ہیں: حقیقی، حکمی۔ حقیقی اخذ بالبراجم کو کہتے ہیں اور حکمی تخلیہ کو کہتے ہیں، اس کے بعد صاف لفظوں میں یہ لکھا کہ عرف کی بنا پر قبضہ کے مفہوم واقسام میں توسیع کی گنجائش نہیں، بلکہ وسعت تلاش کرنا شانِ تقلید کے خلاف ہے۔

مولانا رفیق عالم مصباحی جواب کے شروع میں لکھتے ہیں:

قبضہ کی شرعاً دو قسمیں ہیں: قبضۂ حقیقی، قبضۂ حکمی۔

مذکورہ دونوں قسموں کے تحت جزئیات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ہمارے فقہائے کرام نے جب معنیٰ قبضہ کی تشریح لغوی، شرعی، عرفی، عادی، عقلی، حقیقی اور حکمی ہر اعتبار سے کر دی ہے، نیز اس کے اقسام وانواع کی وضاحت فرما دی ہے تو اب اس کے مفہوم واقسام میں وسعت تلاش کرنا شانِ تقلید واتباع کے خلاف ہے۔ (مقالہ، ص:۲)

مولانا قاضی فضل احمد مصباحی لکھتے ہیں:

قبضہ کا جو مفہوم اصطلاحِ شرع میں مراد ہے اس میں عرف وغیرہ سے توسیع اسی وقت ممکن ہے جب اخذ بالبراجم یعنی قبضۂ حقیقی۔ یا۔ تخلیہ یعنی قبض حکمی کی صورت میں پائی جائے۔ (مقالہ، ص:۵)

تیسرا طبقہ: اس طبقے نے قبضۂ عرفی کو قبضۂ شرعی سے الگ کوئی قسم نہیں مانا ہے بلکہ عرف میں جس کو قبضہ کہا جاتا ہے وہ قبضۂ شرعی سے الگ کوئی قبضہ نہیں ہے۔

مولانا قاضی فضل رسول مصباحی لکھتے ہیں:

”قبضہ کی یہ شرعی صورتیں اور قسمیں ہیں۔ اب رہی قبضہ کی عرفی حیثیت تو یہ قبضہ کی شرعی حیثیت سے الگ اور جدا نہیں ہے۔“

مزید لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ عرف سے علاحدہ شرع میں کوئی قبضہ نہیں اس لیے اب قبضہ کے مفہوم واقسام میں توسیع کی کوئی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی۔“(مقالہ، ص:۳)

اس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کے نظریہ کے مطابق شریعت میں قبضہ کے جو مصادیق ہیں وہ مبنی بر عرف ہیں اسی لیے عرف سے علاحدہ شرع میں کوئی قبضہ نہیں۔

مولانا نظام الدین قادری بھی یہی بات کہتے نظر آتے ہیں، لکھتے ہیں:

”قبضہ کوئی منقول شرعی نہیں ہے کہ شرع نے معنیٰ متعارف سے جدا کرکے اپنی وضعِ خاص میں اس کو کسی نئے معنی کے لیے مقرر کیا ہو، لہٰذا اس کا وہی معنیٰ مراد لیا جائے گا جو عرف میں رائج ہو۔“(مقالہ، ص:۱)

مولانا شبیر احمد مصباحی لکھتے ہیں:

”میرے فہم ناقص میں عرفاً قبضہ کو قابض کی دخل یابی لازم ہے اور یہی معنیٰ قبضۂ حقیقی کا بھی ہے، لہٰذا عرفاً قبضہ شرعاً قبضہ کی مذکورہ دونوں قسموں سے الگ کوئی قسم نہیں ہے۔“(مقالہ، ص:۲)

چوتھا طبقہ: اس اعتراف کے ساتھ کہ قبضہ کی شرعاً دو قسمیں ہیں، حقیقی۔ حکمی، یہ نظریہ بھی رکھتا ہے کہ عرف وعادات ناس کے پیشِ نظر قبضہ کے مفہوم واقسام میں توسیع کی گنجائش ہونی چاہیے۔

مولانا ابرار احمد اعظمی لکھتے ہیں:

”چوں کہ نصوصِ شرعیہ میں قبضہ کے مفہوم واقسام کا کوئی مخصوص دائرہ نہیں بیان کیا گیا ہے، نیز عرف وعاداتِ ناس میں قبضہ کی ایک تیسری قسم موجود ہے جو قبضۂ حقیقی اور قبضۂ حکمی کے اوصاف وشرائط سے خالی ہے، پھر بھی عرفِ عام میں اسے قبضہ ہی سمجھا جاتا ہے، وہ ہے ”لیجر بک میں رقوم کا اندراج“ اس لیے عرف وعادات ناس کے پیشِ نظر اقسام قبضہ میں توسیع کی گنجائش ہونی چاہیے اور اس قسم کو تخلیۂ عرفی یا قبضۂ عرفی سے موسوم کیا جانا چاہیے۔“(مقالہ، ص:۳)

مفتی شہاب الدین نوری براؤں شریف لکھتے ہیں:

”اور اب فی زماننا مفہوم قبضہ میں توسیع کی گنجائش ہونی چاہیے۔“(مقالہ، ص:۶)

دوسری جماعت: اس کا موقف یہ ہے کہ قبضہ کی شرعاً تین قسمیں ہیں:

۱-حقیقی-۲-حکمی-۳-عرفی۔

یہ موقف باقی بیش تر اہلِ علم کا ہے۔

قبضہ حقیقی اور حکمی کے اثبات کے لیے وہی جزئیات اس جماعت کے مقالوں میں مذکور ہیں جو ماسبق میں بیان ہو چکے ہیں اور ان کی مثالیں بھی دے دی گئی ہیں۔

قبضۂ عرفی کی مثال کے تحت مولانا رضاء الحق اشرفی مصباحی لکھتے ہیں:

”عرف وعادت میں جس کو قبضہ مانا گیا ہے یا مانا جاتا ہے وہ قبضۂ عرفی کی مثال بن سکتا ہے، اس کا شرعاً اعتبار بھی ہے لہٰذا وہ شرعی بھی ہوتا ہے، بعض وہ صورتیں جن میں شی پر تصرف سے جو چیزیں مانع ہیں انھیں ختم کرنے کو عرف میں قبضہ مانا جاتا ہے، شریعت میں اس کا بھی اعتبار ہے۔ چناں چہ علامہ کاسانی نے **قبضہ عرفی کا معنیٰ** ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لأن معنى القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة.“ (ج:۵، ص:۱۴۸) (مقالہ، ص:۲۰۱)

مفتی آلِ مصطفےٰ مصباحی لکھتے ہیں:

”قبضہ کی تین قسمیں ہیں: حقیقی، عرفی، حکمی۔ حقیقی تو اخذ بالبراجم کا نام ہے، تخلیہ کہ بغیر کلفت کے قبضہ ہو سکے کہ وہ مفرز ہے اور حق غیر میں مشغول نہیں۔ اور عرفی میں وہ قبضے شامل ہیں جن کو عرفِ عام میں قبضہ سمجھا اور مانا جاتا ہے۔“(مقالہ، ص:۳)

اس طرح یہ اقسام اور بھی مقالہ نگاروں نے ذکر کیے ہیں۔

ان دونوں جماعتوں کے برخلاف سیمینار کے ایک مندوب ایک الگ رائے رکھتے ہیں، وہ ہیں مولانا خالد ایوب مصباحی، انھوں نے اس موضوع پر کافی مبسوط مقالہ لکھا جو اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں موصوف نے کافی جزئیات جمع کیے، جس کے لیے وہ لائقِ تحسین ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ قبضہ کی چار قسمیں ہیں:

۱-حقیقی قبضہ، اس کا تحقق نقل وتحویل سے ہوتا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ومطلق القبض ينصرف إلى القبض الحقيقي ولا يتحقق ذلك إلا بالنقل. (کتاب الرهن فصل في شرائط ركن الرهن)

۲-حکمی قبضہ، اس کا تحقق تخلیہ سے ہوا کرتا ہے۔ اسی میں ہے:

فأما التخلي فقبض حكما لا حقيقة.

۳-شرعی قبضہ، بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الشرع فإن التخلي في باب البيع قبض بالإجماع

من غير نقل و تحو يل دلّ أن التخلي بدون النقل والتحو يل قبض حقيقة و شريعة فيكتفي به.

۴-عرفی قبضہ، بدائع میں ہے:

أما العرف فإن القبض يرد على ما لا يحتمل النقل والتحو يل من الدار والعقار.

پھر لکھتے ہیں: ”درج بالا چار قسمیں قبضہ کی بنیادی قسمیں ہیں، جب کہ مقبوضات کے اختلاف کے ساتھ قبضہ کی ہیئت بھی بدلتی رہتی ہے۔“ (مقالہ، ص:۹)

تیسرا سوال اور اس کے جوابات

لیجر بک میں اندراج قبضے کی حقیقی، حکمی، عرفی کسی قسم میں شامل ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں بھی کئی موقف نظر آئے۔

پہلا موقف: یہ ہے کہ لیجر بک میں اندراج قبضے کی حقیقی، حکمی، عرفی، کسی قسم میں شامل نہیں ہے۔ یہ موقف درج ذیل علماے کرام کا ہے:

۱-مولانا قاضی فضل احمد -۲-مولانا قاضی فضل رسول -۳-مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی -۴-مولانا رفیق عالم -۵-مولانا نظام الدین قادری۔

مولانا قاضی فضل احمد لکھتے ہیں:

”لیجر بک میں اندراج نہ اخذ بالبراجم ہے اور نہ تخلیہ کی مذکورہ صورتیں کہ تخلیہ کی صحت کے لیے تمکنِ قبض شرط ہے اور لیجر بک میں اندراج ایسا نہیں ہے کہ آدمی جب چاہے ہاتھ بڑھا کر اپنا روپیہ نکال لے اور اسے کھڑا ہونے کی ضرورت بھی نہ پڑے۔ بلکہ علما نے تو یہاں تک فرمایا کہ الماری اور صندوق کا صرف کھلا ہونا ان میں رکھے سامان کے قبضہ کے لیے کافی نہیں اور اس طرح کا تخلیہ قبضہ کے حکم میں نہ ہوگا اور بینک میں تو خزانہ کا دروازہ کھول کر بھی نہیں رکھا جاتا اور نہ اس طرح کا کوئی تخلیہ ہوتا ہے پھر اسے قبضہ کیسے مان لیا جائے۔“ (مقالہ، ص:۳)

مولانا قاضی فضل رسول لکھتے ہیں:

”لیجر بک میں اندراج قبضے کی حقیقی، حکمی، عرفی کسی قسم میں شامل نہیں کہ قبضہ کی تعریف سرے سے اس پر صادق نہیں آتی، نہ تو تخلیہ ہے اور نہ ہی ہاتھ اور نہ ہی اپنی مخصوص شی میں محفوظ و مامون ہے۔“ (مقالہ، ص:۷)

مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی لکھتے ہیں:

”روپے پیسے منقولات سے ہیں اور امرِ منقول میں قبضۂ حقیقی و حکمی کی صورتیں متعیّن ہیں اور لیجر بک کا اندراج ان میں کسی صورت میں داخل نہیں، قبضۂ حقیقی نہ ہونا تو ظاہر ہے، قبضۂ حکمی اس لیے نہیں کہ قبضۂ حکمی کی روح تخلیہ ہے، یعنی مفرز کر کے ایسا سالم و خالص کر دینا کہ متعلقہ شخص خواہ وہ مشتری ہو یا موہوب لہ، یا کچھ اور، کا بغیر کسی تکلف کے لینا ممکن ہو اور وہ لیجر بک میں اندراج سے حاصل نہیں اور قبضۂ عرفی اس لیے نہیں کہ عرف میں اسے گو کہ صورۃً قبضہ مانا جاتا ہے مگر اب بھی حقیقۃً نہیں تسلیم کیا جاتا۔“ (مقالہ، ص:۳)

مولانا رفیق عالم لکھتے ہیں:

”لیجر بک میں اندراج قبضے کی حقیقی، عرفی اور حکمی میں سے کسی بھی قسم میں داخل نہیں، حقیقی کا نہ ہونا ظاہر ہے اور حکمی و عرفی اس لیے نہیں کہ تخلیہ تام نہیں، اس لیے کہ قبضہ کا شرعی اور عرفی معنیٰ یہ ہے کہ دوسرے کا قبضہ بالکلیہ اٹھا لیا جائے اور جب کہ یہاں قبضہ بینک والوں کا برقرار رہتا ہے اس لیے لیجر بک میں اندراج قبضے کی کسی قسم میں داخل نہیں، کھاتوں میں انٹری کر دینا قبضہ نہیں کہلاتا۔ امام احمد رضا خاں ـــــ ارشاد فرماتے ہیں:

”اور قبضہ دلانے کا معنیٰ شرعاً، عقلاً و عرفاً یہی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر اس کا قبضہ کرا دیا جائے ورنہ جب تک اپنا قبضہ موجود ہے، اس کا قبضہ کیوں کر ہوگا، کہ شئ اپنے منافی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی، آخر نہ دیکھا کہ جب تک تخلیہ تامہ نہ ہو واہب کے اس قول کو کہ میں نے قابض کر دیا صحیح نہ مانا۔“ (فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۷۴۳)

فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص:۳۱۵ پر ہے:

”عوام عموماً اور آج کل کے قانون داں خصوصاً نرے زبانی یا کاغذ کے تلفظ کو قبضہ کہتے اور سمجھتے ہیں، نہ وہ تخلیہ کے معنیٰ سے آگاہ ہیں نہ اس کی حاجت مانتے ہیں، زید اگر اپنا مکان جس میں اس کا مال و اسباب رکھا ہوا ہے عمرو کو ہبہ کر دے اور کنجی اسے دے دے، وہ کہیں گے کہ قبضہ دے دیا حالاں کہ ہر گز شرعاً قبضہ نہ ہوا کہ تخلیہ نہ ہوا۔“ (مقالہ، ص:۳)

مولانا نظام الدین قادری لکھتے ہیں:

”لیجر بک میں اندراج قبضہ کی حقیقی، حکمی، یا عرفی کسی قسم میں شامل نہیں۔ وذلك لعدم ما يعتبره الناس قبضا۔“

ناظمِ مجلسِ شرعی سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی نے اس موقف پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"لیجربک میں اندراج" قبضے کی حقیقی،حکمی، عرفی کسی قسم میں شامل نہیں۔حقیقی نہ ہونا توظاہر تر ہے کہ وہ قبض بالبراجم یا ہاتھ میں لینا، پکڑنا نہیں ہے۔حکمی اس لیے نہیں ہے کہ تخلیہ اپنے شرائط کے ساتھ یہاں متحقق نہیں ہوتا۔ رہ گیا "عرفی" تو وہ بھی نہیں ہے۔

اب ہم ہر ایک کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

لیجربک میں اندراج قبضۂ حکمی نہیں: قبضۂ حکمی نام ہے تخلیہ کا، اور وہ یہاں معدوم ہے چناں چہ فتاوی رضویہ میں ہے:

"ہبۂ صحیحہ میں مذہب صحیح پر تخلیہ مثل قبض بالبراجم ہے۔ جزم به فی متن التنویر ونص فی الدرر ثم الدر أنه المختار. قلت: وقد أشار في بيوع الأشباه إلى ضعف خلافه وقدمه في هبة الخانية على قول الخلاف وهو إنّما يقدم الأظهر الأشهر وبه جزم الإمام شمس الأئمة الحلواني ولم يمل إلى ذكر الخلاف كما في بيوع الخاقانية.

مگر یہاں اعتبار تخلیہ کے لیے جو تمکن قبض شرط ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ:

(۱) شی موہوب موہوب لہ سے اس قدر قریب ہو کہ یہ ہاتھ بڑھائے تو اس تک پہنچ جائے اٹھ کر اس کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو فقط الماری اور صندوق کا کُھلا ہونا ہرگز کافی نہیں...

(۲) تحقق تخلیہ کے لیے صرف تمکن قبضہ فی الحال ہرگز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخلی مخلی لہ کو قبضہ کا حکم کرے، مثلاً "خُذْہ" یا "اقْبِضْه" کہے یا 'خلّيتُ لك عنه" یا اس کے مثل جو اس معنی کو ادا کرے۔

فتاویٰ قاضی خاں وفتاویٰ ظہیریہ وفتاویٰ ہندیہ وبحرالرائق و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للخانية، إن دفع إليه المفتاحَ ولم يقل: خلّيت بينك وبين الدار فاقبضه، لم يكن ذلك قبضًا. محيط.

(۳) امام اجل موصوف ودیگر اکابر یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ مطلقًا امر بالقبض بھی کافی نہیں بلکہ خاص وہ امر بالقبض درکار ہے جو اس شی کی طرف مضاف ہو، مثلاً ہبہ یا بیع کر کے کہا: "لے لے" یا "قبضہ کر لے" تخلیہ نہ ہوا جب تک یوں نہ کہے کہ "یہ چیز لے لے" یا "اس پر قبضہ کر لے"...(مقالہ مفتی نظام الدین صاحب، ص:۴)

لیجربک میں اندراج قبضۂ عرفی بھی نہیں اس پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نصوص کتاب وسنت کے مفہوم کی تعیین عہد نبوی کے عرف سے ہوتی ہے اور عہد نبوی کے عرف میں "تحریر، وثیقہ، دستاویز" کو کبھی قبضہ نہ سمجھا گیا، بلکہ بعد کے ادوار میں بھی عرصۂ دراز تک نہ سمجھا گیا، بلکہ حق یہ ہے کہ آج کے زمانے میں بھی کسی رجسٹر میں "اندراج" یا "وثیقہ نامہ" بلکہ "رجسٹر" کو بھی قبضہ سمجھنے، ماننے کا عرف شرعی نہیں، اگر ہے تو وہ عرفِ عوام ہے۔

"عرف" شرعًا وہ معتبر ہے جو شائع ومستفیض ہو یعنی عام طور سے عوام وخواص سب میں رائج ہو۔ نشر العرف میں ہے:

فكُلٌّ منهما لا يكون عامًّا تبنى الأحكام عليه حتى يكون شائعًا، مستفيضًا بين جميع أهله.

عرف خاص اور عرف عام جب تک اپنی حد میں رہنے والے تمام لوگوں میں شائع اور مشہور نہ ہو، مدارِ احکام نہ ہوں گے۔

(رسائل ابن عابدین، ج ۲، ص ۱۲۲)

فتاوی رضویہ میں ہے:

"عرف وتعامل جس میں اجتہاد درکنار، علم بھی درکار نہیں، اس میں علما وجہلا سب کا عمل درآمد ملحوظ ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۸، ص ۲۱۰، رسالہ المنی والدرر، سنی دار الاشاعت مبارک پور)

لیجربُک میں "اندراج" کو عوام کیا سمجھتے ہیں وہ جانیں، علما تو بہت پہلے فیصلہ کر چکے کہ وہ قبضہ نہیں اور اس فیصلے سے بہت پہلے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ــــــ رجسٹری کے تعلق سے فتویٰ صادر فرما چکے کہ وہ قبضہ نہیں ہے اور آج بھی یہ مسئلہ علما کے نزدیک زیر غور ہی ہے تو عوام کے عرف میں علما شریک نہیں اس لیے وہ معتبر نہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں قبالہ کے تعلق سے ہے:

"مجرد قبالہ کوئی حجت شرعیہ نہیں، نہ صرف اس کی بنا پر کچھ حکم ہو سکتا ہے نہ کوئی اپنا استحقاق ثابت کر سکتا ہے، فتاویٰ امام قاضی خاں والاشباہ والنظائر وفتاویٰ خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للرملي أمّا الثبوت بمجرد إظهار الحجة بلا بيّنة شرعية، فلا قائل به من أئمة الحنفية المعتمد على قولهم

؛لأن الخط رسمٌ مجرّد خارج عن حُجَج الشرع الثلث التي هي البينة والإقرار و النكول و هذا لا توقّف فيه لأحد.

"کاغذ میں اندراج" کو قبضہ سمجھنا کن کا عرف ہے اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کی کیا حیثیت ہے یہ فتاویٰ رضویہ کے درج ذیل اقتباس میں واضح کیا گیا ہے، امام احمد رضا ــــ فرماتے ہیں:

عوام عموماً اور آج کل کے قانون دان خصوصاً نرے زبانی یا کاغذ کے تلفظ (وتحریر) کو قبضہ کہتے اور سمجھتے ہیں نہ وہ تخلیہ کے معنی سے آگاہ ہیں نہ اس کی حاجت جانتے ہیں۔ زید اگر اپنا مکان جس میں اس کا مال اسباب رکھا ہوا ہے عمرو کو ہبہ کرے اور کنجی اسے دے دے، وہ کہیں گے قبضہ دے دیا حالاں کہ ہر گز شرعاً قبضہ نہ ہوا کہ تخلیہ نہ ہوا۔

بدائع میں ہے:

وعلى هذا يخرج ما إذا وهب دارا فيها متاعُ الواهب، وسلّم الدار إليه أو سلم الدار مع ما فيها من المتاع؛ فإنه لا يجوز، لأن الفراغ شرطُ صحّةِ التسليم والقبض ولم يوجد.

دستاویز میں کہ بکر کو قابض کر دینا مسطور، یقینا اس سے یہی محاورۂ جُہال منظور، تو بکر کا اس سے استدلال ہباءً منثور۔

اور اگر فرض کیجیے کہ اسے شرط قبضہ ہی پر محمول رکھیں تو اب دو وجہ سے مردود ہے۔ اوّلاً جب یقیناً معلوم کہ کرایہ داروں سے تخلیہ کرکے قبضہ کسی وقت نہ دلایا پہلے سے اب تک کرایہ داروں کا قبضہ مستمر ہے اور اوپر بیان ہو چکا کہ شی واحد پر وقت واحد میں دو مختلف قبضے محال، تو یہ اقرار بالمحال ہوا، اور اقرار بالمحال باطل و نامسموع ہے مثلاً بھائی اقرار کرے اور رجسٹری کرا دے کہ متروکہ پدری اس میں اور اس کی بہن میں بذریعہ میراث پدر نصف نصف ہے یہ اقرار مردود ہے بہن اس سے استدلال نہیں کر سکتی کہ وہ شرعاً محال ہے، لہٰذا ثلث سے زیادہ نہ پائے گی۔ یوں ہی یہاں باوصف استمرار قبضہ مستاجران قبضہ مرتہن شرعاً محال ہے، لہٰذا اقرار واجب الابطال ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ص:۳۱۵، ۳۱۶، ج دہم۔ رضا اکیڈمی)

بلکہ حق یہ ہے کہ خود لیجر بک کی وضع قبضہ کے اثبات کے لیے نہیں ہے، نہ اس سے بینک کا یہ مقصود، بلکہ وہ تو دراصل یادداشت کا ایک مخصوص رجسٹر ہے جس میں روپے پیسے کے لین دین وغیرہ کا حساب درج ہوتا ہے۔"

پھر بینک کے ذریعہ روپے بھیجنے کے معاملے پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بینک کے ذریعہ روپے بھیجنے کا معاملہ "اجارہ و قرض" ہے یا "اعارہ و قرض"۔ اگر اجرت لے کر روپے پہنچائیں تو اجارہ و قرض ہے اور اگر اجرت نہ لیں تو "اعارہ و قرض"۔ قرض اس وجہ سے ہے کہ جمع ہونے والے اصل روپے بینک کے متعلقہ ملازمین اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور ان کا مثل پہنچاتے ہیں، عرفاً یہ بات دونوں فریق کو معلوم ہے اور بھیجنے والے بھی اس پر راضی ہوتے ہیں کہ ان کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ اتنے روپے ان کے آدمی کے پاس پہنچ جائیں، گو وہ عین روپے نہ ہوں تو یہ اِمساکِ عین و دفعِ مثل ہے اور یہی حقیقتِ قرض ہے تو یہاں حقیقۃً اجارہ و قرض یا اعارہ و قرض دونوں متحقق ہیں، اس حیثیت سے دیکھا جائے تو بینک روپے بھیجنے والوں کا مدیون ہوا اور روپے دین۔ یہ حقیقت ہے اس معاملے کی۔

اور لیجر بک میں مُرسَل اِلیہ کا نام، کھاتہ نمبر، روپے کی مقدار وغیرہ کا اندراج شرعی نقطۂ نظر سے مدیون (بینک) کی طرف سے اس امر کا اقرار ہے کہ اس کے ذمہ مُرسَل اِلیہ کے اتنے روپے ہیں اور مدیون کا خود لکھوانا قرض خواہ کے لکھنے، لکھوانے سے زیادہ وثوق و اعتماد کا باعث ہے کیوں کہ قرض خواہ کسی کے نام کچھ بھی لکھ سکتا ہے، اور اس کا لکھنا دوسرے پر حجت نہیں ہے لیکن مقروض یا مدیون کا اپنے ذمہ کسی کا دین یا قرض لکھنا اقرار ہے جو اس کے اوپر شرعاً و عقلاً حجت ہے۔

اور یہ عصر جدید کا کوئی نیا طریقہ نہیں ہے بلکہ قرآن مقدس نے مدیون کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کاتب کے ذریعہ دیانت داری کے ساتھ خود لکھوا دے اور اگر وہ لکھوانے سے عاجز ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے لکھوائے۔ چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

وَ لْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَ لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

اور جس پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اُس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ نہ چھوڑے پھر جس پر حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں ہو یا لکھا نہ سکے تو اس کا ولی انصاف سے لکھائے۔ (پارہ ۳، آیت ۲۸۲۔ کنز الایمان)

لیجر بک والے مسئلے میں اصل مدیون بینک ہے لیکن وہ بے عقل و بے جان ہونے کی وجہ سے لکھوانے سے عاجز ہے، اس لیے اس کی طرف سے اس کا قائم مقام عملہ کرتا ہے، تو یہ فی الواقع قرآن مقدس کے

دیے ہوئے ضابطے پر عمل ہے اور اس ضابطے کا مقصود وثوق و اقرار تھا وہی مقصود آج بھی ہے، نہ تو کل یہ دستاویز قبضہ تھی، نہ آج۔

پھر یہاں اس حیثیت سے بھی غور فرمائیے کہ بینک جس روپے کو بھیجنے کا ذمہ لیتا ہے وہ اس کے ذمہ دین ہے اور دین مقبوض ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ دین کو رہن رکھنا صحیح نہیں۔ تفسیر احکام القرآن میں امام ابوبکر جصاص رازی حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیۂ کریمہ ”فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ“ کے تحت لکھتے ہیں:

واختلف في رهن الدين، فقال سائر الفقهاء: لا يصحّ رهنُ الدين بحال، وقال ابن القاسم عن مالك في قياس قوله: إذا كان لرجل على رجل دينٌ فبعتَه بيعا وارتهنتَ منه الدينَ الذي له عليه، فهو جائز و هو أقوى من أن يرتهن دينا على غيره؛ لأنه جائزٌ لما عليه.

قال: ويجوز في قول مالك: أن يرهن الرجل الدين الذي يكون له على ذلك الرجل و يبتاع من رجل بيعا ويرهن منه الدين الذي يكون له على ذلك الرجل ويقبض ذلك الحق له ويشهد له.

وهذا قولٌ لم يقل أحد به من أهل العلم سواه وهو فاسدٌ أيضا لقوله تعالى: «فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ» و قبضُ الدين لا يصحّ ما دام دينا، لا إذا كان عليه ولا إذا كان على غيره ؛ لأنّ الدين هو حقٌّ لا يصحّ فيه قبضٌ و إنّما يتأتى القبضُ في الأعيان. اهـ (أحكام القرآن للجصّاص الرازي ج٢، ص ٢٦٠، ٢٦١، دار إحياء التراث)

یہاں سے واضح ہوا کہ بینک کے ذمہ جو دین ہے اس پر قبضہ متحقق ہی نہیں ہو سکتا اب اگر بالفرض اندراج قبضہ بھی ہوتا تو قبضے کے تحقق کی کوئی صورت نہ تھی۔“ (مقالہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی)

سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب کی یہ گفتگو اصل مذہب حنفی کے اعتبار سے تھی، اور اب ان کا موقف یہ ہے کہ بربنائے حرج شدید و حاجت بمنزلہ ضرورت بینک اکاؤنٹ میں رقم کا اندراج درجۂ قبض میں ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ گفتگو اصل مذہبِ حنفی کی بنیاد پر ہے۔ اور اب بربنائے حرج شدید و حاجت بمنزلۂ ضرورت ہم اس ”عدم قبض“ کو ”درجۂ قبض“ میں تسلیم کرتے ہیں جس کی تفصیل ہم نے اپنے ایک فتوے میں اس طرح کی ہے:

یہاں یہ امر زیر غور ہے کہ صرف اکاؤنٹ میں رقم کا اندراج قبضہ و مفیدِ ملک ہے یا نہیں؟ اس باب میں علما کے درمیان اختلاف ہے۔

شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند حضرت العلام مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رجحان پہلے ہی سے یہ تھا کہ کھاتے میں اندراج قبضہ و مفیدِ ملک ہے اور آج بھی بہت سے علمائے اہل سنت یہی موقف رکھتے ہیں، اور اب یہ عاجز بے مایہ بھی بوجہِ حاجت شرعیہ استحساناً و تیسیراً یہی موقف اختیار کرتا ہے کیوں کہ:

آن لائن کاروبار عالمی سطح پر جاری ہو چکا ہے جس میں مال اپنے یا اپنے وکیل کے ہاتھ میں کم ہی آپاتا ہے، اور زیادہ تر سامان کی بیع در بیع یوں ہی ہوتی رہتی ہے اور کرنسی بھی مختلف لوگوں کے اکاؤنٹ میں بغیر کسی کے ہاتھ میں آئے ٹرانسفر ہوتی رہتی ہے۔

مختلف مواقع پر ایک دوسرے کے اکاؤنٹ میں کرنسی جمع کر کے قرض یا زادِ راہ، نذرانہ، تحفہ اور امداد وغیرہ کے نام پر لین دین بھی شروع ہو چکا ہے اور حال یہ ہے کہ لوگ اکاؤنٹ میں اندراج کو ہی کافی سمجھتے اور اس میں تصرفات مالکانہ کرتے ہیں۔

اب ”کیش لیس“ کے نظام نے تنخواہ، اجرت، ثمن، قیمت، امانت، کفالہ، حوالہ، قرض، ضمان، ہبہ تصدق، رہن، دیت، زکات، صدقات، مالِ مباح وغیرہ سب میں اکاؤنٹ میں اندراج کو قبضے کے قائم مقام کر دیا ہے اور اب تو صورت حال یہ ہے کہ اسے قبضہ مانے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہ رہ گیا۔ تو اب عام تفاہم و رواج اور قانون و حاجتِ شرعی کی بنا پر استحساناً بینک اکاؤنٹ میں اندراج قبض بالیَدِ (ہاتھ میں لینے) کے قائم مقام تسلیم ہونا چاہیے اس طرح کے حالات میں بہت سے مقامات پر فقہا نے معدوم کو موجود مان کر حکم شرعی جاری کیا ہے، اس لیے یہاں بھی ”ہاتھ میں نہ لینے“ کے باوجود اسے حکماً قبضہ ماننا چاہیے۔“ (مقالہ، ص: ۱۰-۱۱)

دوسرا موقف: یہ ہے کہ لیجر بک میں رقوم کا اندراج عرفاً قبضہ ہے جو نہ قبضۂ حقیقی ہے نہ حکمی۔ یہ موقف درج ذیل علمائے کرام کا ہے:

۱- مولانا ابرار احمد اعظمی -۲- مولانا رضاء الحق اشرفی -۳- مفتی عبد الرحیم اکبری -۴- مولانا ارشاد احمد -۵- مولانا محمد محسن رضا -۶-

مولانا محمد ذوالفقار-۷-مولانا خالد ایوب شیرانی۔

مولانا ابرار احمد اعظمی لکھتے ہیں:

”لیجر بک میں رقوم کا اندراج بینک کے عملہ کی جانب سے ایک طرح کی اطلاع فراہم کرنا ہے کہ کھاتے دار کے کھاتے میں اتنی رقم موجود ہے، مگر چوں کہ وِڈرال فارم، چیک اور اے ٹی ایم کارڈ کے ذریعہ مندرج رقوم میں تصرف کرنے کا کھاتے دار کو اختیار ہے کہ کھاتے دار جب چاہے بینک کے ضابطہ کے مطابق درج شدہ رقوم کو بینک سے نکال کر اپنے خرچ میں لا سکتا ہے اس لیے بینک کی جانب سے اس نوع تمکن اور قابوے تصرف کی وجہ سے عرف میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ لیجر بک میں مندرج رقوم کھاتے دار کے قبضہ میں ہے، باقی کھاتے دار کے اس قابوے تصرف کو نہ تو قبضہ حقیقی قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی قبضہ حکمی۔“ (مقالہ، ص:۳)

مولانا رضاء الحق اشرفی لکھتے ہیں:

”لیجر بک میں رقم کا اندراج قبضۂ عرفی میں داخل ہے۔ اس کے قبضہ متصور ہونے میں عرف جاری و ساری ہے۔ یہ عرفاً تمکن من التصرف اور تخلیہ ہے۔“ (مقالہ، ص:۳)

مفتی عبد الرحیم اکبری لکھتے ہیں:

”لیجر بک میں رقم کا اندراج قبضے کے عرفی معنیٰ میں شامل ہے، کیوں کہ کھاتے میں چڑھنے کے بعد وہ مقدور التسلیم ہے اور مانع مرتفع ہے اور عرف میں کھاتے میں آئے روپیہ کو قبضہ میں سمجھا جاتا ہے۔“

باقی اہلِ علم کی تحریروں میں بھی تقریباً یہی بات کہی گئی ہے۔

تیسرا موقف: لیجر بک میں رقوم کا اندراج حکماً قبضہ ہے، یہ موقف درج ذیل علماے کرام کا ہے:

۱-مولانا مسیح احمد-۲-مولانا عبد السلام-۳-مولانا مبشر رضا-۴-مولانا محمد سلیمان-۵-مفتی شہاب الدین نوری براؤں شریف-۶-مولانا محمد انور نظامی-۷-مفتی محمد انفاس الحسن چشتی

ان حضرات کی بھی دلیل وہی ہے جو دوسرے موقف والوں کی ہے کہ لیجر بک میں اندراج کے بعد اس رقم میں مکمل تصرف کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور کوئی چیز اس میں تصرف سے مانع نہیں ہوتی۔

مولانا مسیح احمد قادری لکھتے ہیں:

”لیجر بک میں رقم کا اندراج حکماً قبضہ ہونا چاہیے، کیوں کہ لیجر بک اور اکاؤنٹ میں رقم مندرج ہو جانے سے اس رقم پر مکمل تصرف کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ بہارِ شریعت میں ہے:

قبضہ پر قادر ہونا بھی قبضہ ہی کے حکم میں ہے، مثلاً صندوق میں کپڑے ہیں اور کپڑے ہبہ کر کے صندوق اسے دے دیا اگر صندوق مقفل ہے قبضہ نہیں ہوا اور قفل کھلا ہوا ہے قبضہ ہو گیا، یعنی ہبہ تمام ہو گیا، کہ قبضہ پر قادر ہو گیا۔“ (ج:۱۴، ص:۶۶)

مفتی محمد انفاس الحسن چشتی نے اپنے اس موقف کی تائید میں شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا درج ذیل قول بھی پیش کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”بینک میں جو روپے جمع ہیں وہ اپنے قبضے میں مانے جائیں گے اور ہر سال اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔“

(تعلیق بر فتاویٰ امجدیہ، ص:۳۶۹، مقالہ، ص:۲)

چوتھا سوال اور اس کے جوابات

آج کل انٹرنیٹ کے ذریعہ بیع قبل القبض کے معاملات عام ہو چکے ہیں تو کیا کمپیوٹر یا فیس بک وغیرہ میں اندراج شرعاً قبضہ ہے؟ اور ان میں مبیع کا اندراج مفید جواز بیع ہے؟

اس سوال کے جواب میں بھی اہلِ علم کے درمیان کافی اختلاف نظر آیا اور کئی ایک نظریات سامنے آئے۔

پہلا نظریہ: یہ ہے کہ کمپیوٹر یا فیس بک وغیرہ میں مبیع کا اندراج شرعاً قبضہ نہیں اور محض مبیع کے اندراج سے بیع جائز نہیں ہوگی۔ یہ نظریہ درج ذیل علماے کرام کا ہے:

۱-مولانا مسیح احمد-۲-مولانا قاضی فضل رسول-۳-مولانا شبیر احمد-۴-مولانا رفیق عالم-۵-مفتی آلِ مصطفیٰ-۶-مولانا نظام الدین قادری-۷-مولانا محمد ذوالفقار-۸-مولانا ارشاد احمد-۹-مولانا ابرار احمد اعظمی۔

البتہ مولانا ابرار احمد اعظمی نے اس ضمن میں اشیاے غیر منقولہ کا حکم بھی واضح کر دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”تاہم کمپیوٹر یا فیس بک میں جس مبیع کا اندراج ہے اگر اس کا تعلق زمین، جائداد وغیرہ اشیاے غیر منقولہ سے ہو تو ایسی مبیع کو قبل قبضہ فروخت کرنا جائز ہے۔

بخلاف بيع العقار قبل القبض فيجوز بيعه قبل القبض عند أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله .

(نوازل فقيه ابو الليث، ص:٣٦٣)

مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی لکھتے ہیں:

”کمپیوٹر یا فیس بک میں اندراج شرعاً قبضہ نہیں اور مبیع کا اس میں اندراج کر لینا مبیع کی موجودگی کی دلیل نہیں ہے تو در اصل مبیع معدوم ہوئی اور ایسی بیع جائز نہیں۔“

مولانا قاضی فضل رسول لکھتے ہیں:

”اس لیے کہ مبیع نہ تو فیس بک یا کمپیوٹر پر پہنچ کر قابض کے گھر یا ہاتھ میں پہنچتی ہے اور نہ ہی فیس بک و کمپیوٹر میں ڈالنے والا مبیع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر کے عاجز و قاصر رہتا ہے، پھر اس اندراج کا قبضہ سے کیا علاقہ تو یہ اندراج مفید ملک و بیع کیوں کر ہوگا۔“

دوسرا نظریہ: کمپیوٹر یا فیس بک وغیرہ میں اندراج شرعاً قبضۂ حکمی ہے یا قبضۂ عرفی ہے، لہٰذا ان میں مبیع کا اندراج مفید جواز بیع ہے یہ موقف ان علمائے کرام کا ہے:

۱- مفتی شہاب الدین نوری، براؤں شریف -۲- مولانا محمد محسن رضا مصباحی -۳- مفتی عبد الرحیم اکبری -۴- مولانا خالد ایوب مصباحی -۵- مفتی محمد انفاس الحسن چشتی

مولانا خالد ایوب مصباحی ”الموسوعة الفقهية“ سے ایک طویل عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ہر عقد میں بیع قبل القبض ناجائز نہیں، بلکہ صرف اس صورت میں ممنوع ہے جہاں مبیع کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، وہیں صاحبِ بدائع کی عبارت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ ضابطہ قاعدۂ کلیہ نہیں ہے بلکہ کچھ صورتوں میں منقوض ہے جس کی طرف انھوں نے ”فليتأمل“ سے اشارہ کیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی شرعی مجبوری کے تحت بیع قبل القبض کو عرفی یا شرعی قبضے کی صورتوں میں داخل مان کر قبل القبض بیع وغیرہ معاملات کی اجازت ہو تو اس میں کسی قسم کی شرعی ممانعت نہیں ہونی چاہیے، کیوں کہ آن لائن خرید و فروخت میں متعاقدین اپنے آن لائن اکاؤنٹ میں اندراج کو ہی قبضہ مانتے اور جانتے ہیں اور اسی پر ان کے تمام معاملات کی بنیاد ہوتی ہے، گویا ان کے اپنے عرف و عادت میں یہ قبضہ ہے۔

آن لائن قبضہ کے سلسلے میں مجبوری یہ ہوتی ہے کہ اس میں متعاقدین ملکی و علاقائی سرحدوں اور حدود و قیود سے ماورا ہوتے ہیں، بائع ہندوستان کا ہے تو مشتری دبئی کا اور عام طور سے دونوں کا مقصد مالک کی سیلنگ اور تجارت ہوتا ہے، ذاتی منفعت حاصل کرنا نہیں۔“

(مقالہ، ص:۱۴)

مفتی محمد انفاس الحسن چشتی لکھتے ہیں:

”آج کل انٹرنیٹ کے ذریعہ بیع در بیع کی جو صورت رائج ہوگئی ہے، وہ در حقیقت بیع قبل القبض نہیں ہے، کیوں کہ آن لائن کسی چیز کو خریدنے کے بعد مشتری اس خریدی ہوئی چیز میں تصرف پر قادر ہو جاتا ہے، جب چاہے اس پر قبضہ کر لے، اپنے گھر لائے، کسی کے ہاتھ بیچ دے، کمپنی یا آن لائن شاپنگ سینٹرز کی طرف سے اس پر کوئی ممانعت نہیں ہوتی، یہ قبضہ حکمی کی صورت ہے۔“

فیس بک یا کمپیوٹر پر اندراج شرعاً قبضہ ہے یا نہیں؟ موصوف نے اس تعلق سے بڑی اچھی تفصیل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”جو کمپنیاں آن لائن شاپنگ کی سہولتیں فراہم کرتی ہیں ان کی ذاتی ویب سائٹ ہوتی ہے جس میں کمپنی کے مصنوعات کے تعارف و تشہیر اور خریداری کے اصول و ضوابط کے علاوہ خریداری کا آپشن بھی رکھتی ہے، صارفین ان سائٹس میں جا کر کمپنی کی مصنوعات سے متعارف ہوتے ہیں اور کمپنی کی طرف سے خرید و فروخت کے متعیّن کردہ اصول سے واقفیت حاصل کرتے ہیں، جب کوئی خریدار کمپنی کا مال خریدنا چاہتا ہے، اسے کمپنی کی جانب سے فراہم کردہ ایک فارم کی خانہ پری کرنی ہوتی ہے جو فارم کمپنی کی سائٹ پر ہی دستیاب ہوتا ہے، فارم کی خانہ پری کے بعد ثمن کی ادائیگی کا مرحلہ آتا ہے، جس کے لیے مشتری کو اپنے بینک اکاؤنٹ کی بعض تفصیلات فراہم کرنی پڑتی ہے، ثمن کی متعیّنہ رقم مشتری کے کھاتے سے بائع یعنی کمپنی کے کھاتے میں منتقل ہو جاتی ہے، خریداری مکمل ہونے پر مشتری کو کمپنی کی جانب سے ایک ریسیوینگ یعنی بیع کی تصدیق کا دستاویز ملتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ مشتری نے کمپنی کی پروڈکٹ خریدی۔ اس دستاویز میں ضروری تفصیلات مثلاً سامان کا نام، رنگ، وزن، قیمت، مشتری کا نام پتہ اور وقت بیع اور تاریخ بیع وغیرہ ضروری امور درج ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ ساری تفصیلات کمپنی کے آن لائن سسٹم میں بھی درج ہو جاتی ہیں۔“

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”اس تفصیل کی روشنی میں کمپنی یا شاپنگ سینٹرز کی سائٹ یا سسٹم پر اندراج کو مفید جوازِ بیع ہونا چاہیے، کیوں کہ ریسیونگ کا حاصل ہونا اور کمپنی

کے کمپیوٹر سسٹم میں ان تفصیلات کا درج ہونا اور کمپنی کی جانب سے قبضہ کی اجازت پایا جانا، قبضۂ حکمی کی منزل میں ہے۔" (مقالہ، ص:۲)

البتہ مولانا محسن رضا مصباحی کمپیوٹر اور فیس بک میں اندراج کو شرعاً قبضہ ماننے کے بعد یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ ان میں مبیع کا اندراج اس وقت مفید جواز بیع ہے جب کہ غرر کا احتمال نہ ہو۔

تیسرا نظریہ: یہ ہے کہ کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ وغیرہ میں اندراج نہ قبضہ حقیقی ہے نہ حکمی اس کے باوجود ابتداءً بیع صحیح ہوگی اور خیار رویت حاصل رہے گا اور اسی طرح خرید در خرید کی صورت میں جب مبیع پر مشتری کا قبضہ ہو جائے تو صحیح عقد مسلم کے لیے بطور تعاطی بیع منعقد ہو جائے گی۔

یہ نظریہ صرف دو علمائے کرام کا ہے۔

۱- مولانا قاضی فضل احمد مصباحی -۲- مولانا مفتی عبد السلام رضوی۔ (الفاظ مولانا قاضی فضل احمد کے ہیں)

چوتھا نظریہ: یہ ہے کہ کمپیوٹر پر خرید و فروخت کی نوعیت اگر یہ ہو کہ عاقدین میں سے کسی کے لیے نہ غرر ہو اور نہ مبیع یا ثمن کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بیع قبل القبض جائز ہے اور مفید بیع بھی۔ رہا فیس بک پر خرید و فروخت کا معاملہ تو یہ جائز نہیں، کیوں کہ فیس بک کی آئی ڈی، کوئی بھی کسی نام سے بھی بنا سکتا ہے، اور بناتا بھی ہے جو غرر و نقصان سے خالی نہیں لہٰذا فیس بک پر خرید و فروخت جائز نہیں۔ یہ نظریہ بھی دو علمائے کرام کا ہے۔

۱- مولانا محمد مبشر رضا ازہر مصباحی -۲- مولانا رضاء الحق اشرفی مصباحی۔ الفاظ مقدم الذکر کے ہیں۔

البتہ دونوں کے موقف میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ مولانا مبشر رضا فیس بک پر خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیتے ہیں جب کہ مولانا رضاء الحق اشرفی کمپیوٹر اور فیس بک دونوں کو ایک حکم میں مانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگر غدر و دھوکا نہ ہونے کا ظن غالب ہو، مبیع متعیّن معلوم موجود ہو تو کمپیوٹر و فیس بک پر مبیع کا اندراج اس طور پر کہ مشتری کو مبیع پر قبضہ کرنے اور اس میں تصرف کرنے سے کوئی شئی مانع نہ ہو حکماً عرفاً قبضہ مانا جائے گا اور مفید جواز ہوگا۔" (مقالہ، ص:۳)

پانچواں نظریہ: یہ ہے کہ:

"انٹرنیٹ کے ذریعہ آن لائن جو سامان خریدے جاتے، پھر ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی بار بار خریداروں کی طرف سے بیچے جاتے ہیں ان کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ پہلی بیع جائز و صحیح ہے جو سامان کے اصل مالک و قابض کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کے بعد خریداروں کی بیع در بیع قبضہ سے پہلے ہونے کی وجہ سے بادی النظر میں ناجائز ہے چناں چہ ہدایہ میں ہے:

وَمَنْ اشْتَرَى شَيْئًا مِمَّا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ لَمْ يَجُزْ لَهُ بَيْعُهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ وَلِأَنَّ فِيهِ غَرَرَ انْفِسَاخِ الْعَقْدِ عَلَى اعْتِبَارِ الْهَلَاكِ. (الهداية ج ٣، ص ٥٨ فصلٌ من باب المرابحة و التولية، مجلس البركات)

قَالَ فِي الْفَتْحِ : الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ عَقْدٍ يَنْفَسِخُ بِهَلَاكِ الْعِوَضِ قَبْلَ الْقَبْضِ ، لَمْ يَجُزْ التَّصَرُّفُ فِي ذَلِكَ الْعِوَضِ قَبْلَ قَبْضِهِ كَالْمَبِيعِ فِي الْبَيْعِ وَالْأُجْرَةِ إذَا كَانَتْ عَيْنًا فِي الْإِجَارَةِ وَبَدَلِ الصُّلْحِ عَنْ الدَّيْنِ إذَا كَانَ عَيْنًا لَا يَجُوزُ بَيْعُ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ ، وَلَا أَنْ يُشْرِكَ فِيهِ غَيْرَهُ . (رد المحتار ج ٤ ، ص ١٨١، فصلٌ في التصرّف في المبيع والثمن / باب المرابحة والتولية، نعمانيه)

مگر یہ حکم ایسے مبیع کا ہے جو جنس، نوع، ذات ہر لحاظ سے متعیّن ہو جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت کے الفاظ "إذا كانت عينًا" اور "إذا كان عينًا" شاہد ہیں وجہ یہ ہے کہ "غرر انفساخ عقد بہ ہلاک مبیع" کی علت اسی صورت میں پائی جاتی ہے۔

لیکن اگر مبیع صرف جنس و نوع کے لحاظ سے متعیّن ہو اور اس کی ذات متعیّن نہ ہو جیسے موبائل، لیپ ٹاپ، ٹیبلٹ، گھڑی، کتاب، کپڑا، دوا، سوٹ کیس، صابن، تیل، سونا، چاندی، بائک، کار، ٹریکٹر، ٹرک اور دیگر مصنوعات کی خرید و فروخت اسی طرح ہوتی ہے کہ ان کی کمپنی، جنس، نوع، رنگ، سائز، مقدار متعیّن کر دی جاتی ہے مگر اشارے وغیرہ سے مبیع کا کوئی خاص فرد متعیّن نہیں کیا جاتا کہ وہ ہلاک ہو جائے تو مبیع ہلاک ہو جائے اور انفساخ عقد پایا جائے بلکہ اس کمپنی، جنس، نوع، صفت کے مثلاً بے شمار موبائل ہر ملک میں عموماً دست یاب ہوتے ہیں اس لیے یہاں نہ مبیع یا سامان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ و غرر ہے اور نہ ہی انفساخ عقد کا کوئی خطرہ، لہٰذا آج کل جس طور پر آن لائن اشیا کی خرید و فروخت کا رواج ہے وہ جائز و صحیح ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص اشارے وغیرہ سے مبیع کی ذات بھی متعیّن کر دے مثلاً یہ کہے کہ میرے ہاتھ میں جو موبائل ہے اسے بیچا تو اس کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہوگی کہ ممکن ہے خریدار کے قبضہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائے جس کے باعث وہ عقد از خود فسخ ہو کر بائع کی ملک میں چلا جائے تو یہ دوسرے کی ملک کو اپنا سمجھ کر بیچنا ہوگا جو ناجائز ہوگا۔ ہدایہ کی عبارت "اشتری شیئًا" میں "شیئًا" سے مراد "شیئًا عینًا" ہے یعنی معین چیز، اور وہ معین چیز فرد ہے، نہ کہ نوع۔

علاوہ ازیں حالات و واقعات شاہد ہیں کہ آن لائن کسی چیز کو خریدنے کے بعد اس میں تصرف مالکانہ پر قادر ہو جاتا ہے وہ چاہے تو اس پر قبضہ کر کے اپنے استعمال میں لائے، یا کسی کو نذر یا ہبہ کر دے، یا بیچ دے، اس پر تصرف سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تو یہ "حکماً قدرة علی التسلیم" ہے اور بیع کے جواز کے لیے یہ بھی کافی ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کتاب البیوع کا یہ اقتباس شاہد ہے:

"عمرو نے جس وقت خالد کے ہاتھ بیع کی اگر عمرو اس وقت گواہان عادل شرعی اس امر پر رکھتا تھا کہ یہ مکان میری ملک ہے بکر و بائع بکر غاصب ہیں جب تو بیع عمرو بدست خالد صحیح و تام و نافذ واقع ہوئی مکان ملک خالد ہو گیا، خالد کا دعویٰ صحیح ہے۔ بوجہ وجود بینہ عادلہ عمرو کو حکمًا قدرة علی التسلیم حاصل تھی اور اسی قدر صحت و نفاذ بیع کے لیے کافی ہے حقیقۃً مقدور التسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضروری نہیں۔

● غلام کو کسی کام کے لیے ہزار کوس پر بھیجا اور یہاں اُسے بیع کر دیا بیع صحیح ہو گئی کہ عادۃً اس کا واپس آنا مظنون ہے اگرچہ احتمال ہے کہ سرکشی کرے اور بھاگ جائے۔

● کبوتر ہلے ہوئے کہ صبح کو اڑائے جاتے اور شام کو گھر پلٹ آتے ہیں ان کی غَیبت میں بیچے بیع صحیح ہے کہ رجوع مرجو ہے تو قدرة علی التسلیم حکمًا حاصل ہے یوہیں جب بینہ عادلہ موجود ہے تو ڈگری ملنے کی امید قوی ہے تو یہاں بھی قدرتِ حکمیہ حاصل اور یہی بس ہے۔

● اسی طرح اگر غاصب مقر غصب و ملک مالک ہوتا جب بھی بیع مالک صحیح و نافذ ہوتی کہ اقرار بھی حق مقر میں مثل بینہ حجت ملزمہ ہے بلکہ اس سے بھی اقویٰ، ولہذا اگر منکر بعد اقامت بینہ اقرار کر دے حکم بربنائے اقرار ہوگا، نہ بربنائے بینہ ہاں اگر وقتِ بیع عمرو، نہ (تو) بکر مقر ملک عمرو تھا نہ عمرو کے پاس بینہ شرعیہ۔ تو اب ضرور "مسئلہ اشتراط قدرة علی التسلیم" عائد ہوگا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں عمرو کو نہ حقیقۃً قدرتِ تسلیم ہے نہ حکمًا کہ بے اقرار و بینہ ڈگری ملنا ہر گز مظنون نہیں تو یہ غلامِ آبق کی مانند ہوا جو سرکشی کر کے بھاگ گیا اور غائب ہے، مالک اگر اسے بیع کرے گا ہر گز صحیح نہ ہوگی۔ یوہیں نیا کبوتر کہ اڑ گیا اور ہلا ہوا نہیں کہ واپسی مظنون ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں کہ قدرة علی التسلیم مفقود ہے اگر یہ صورت تھی تو خالد کو دعویٰ کا کوئی حق نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۷، ص ۱ و ۲، سنی دار الاشاعت مبارک پور)

ہاں یہ بات بجائے خود مسلّم ہے کہ مشتری کو اس میں خیار رویت و خیار عیب حاصل رہے گا اور یہ اجازت بھی صرف اس صورت میں ہوگی جب بائع کی طرف سے کوئی فریب و خیانت نہ ہو۔

(یہ نقطۂ نظر ہے سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب کا)

پانچواں سوال اور اس کے جوابات

یہاں یہ تحقیق بھی ضروری ہے کہ بینک کا متعلقہ عملہ روپے جمع کرنے والوں کا وکیل بالقبض ہے۔ یا۔ ہو سکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں بھی کئی موقف نظر آئے۔

پہلا موقف: یہ ہے کہ بینک کا متعلقہ عملہ بینک کا ملازم اور اجیر ہے۔ وہ روپے جمع کرنے والوں کا وکیل بالقبض نہیں ہے کہ یہاں توکیل نہ صراحۃً ہوتی ہے نہ دلالۃً۔ یہ موقف درج ذیل علمائے کرام کا ہے۔

۱۔ مولانا قاضی فضل احمد ۔۲۔ مولانا مسیح احمد ۔۳۔ مفتی عبد السلام ۔۴۔ مولانا قاضی فضل رسول ۔۵۔ مولانا شبیر احمد ۔۶۔ مولانا رفیق عالم ۔۷۔ مفتی شہاب الدین نوری ۔۸۔ مفتی آلِ مصطفیٰ ۔۹۔ مولانا نظام الدین ۔۱۰۔ مولانا محمد ذو الفقار ۔۱۱۔ مولانا ارشاد احمد ۔۱۲۔ مولانا خالد ایوب ۔۱۳۔ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی۔

مفتی انفاس الحسن چشتی لکھتے ہیں:

"بینک کا جو عملہ کھاتا داروں کے روپے جمع کرنے، اور ادا کرنے وغیرہ کاموں پر مامور ہوتے ہیں، وہ بینک کی جانب سے وکیل بالقبض تو ہو سکتے ہیں، لیکن کھاتا داروں کی طرف سے وکیل مطلق بھی نہیں ہو سکتے، چہ جائے کہ وکیل بالقبض ہوں۔"

پھر وہی دلیل پیش کی کہ وکالت کی تعریف یہاں صادق نہیں آتی۔

دوسرا موقف: یہ ہے کہ بینک کا متعلقہ عملہ روپے جمع کرنے والوں کا دلالۃً وکیل بالقبض ہے، یہ موقف ان علمائے کرام ہے:

۱- مفتی عبدالرحیم اکبری -۲- مولانا مبشر رضا ازہر -۳- مولانا ابرار احمد اعظمی -۴- مولانا محسن رضا -۵- مفتی شہاب الدین اشرفی۔

مولانا مبشر رضا ازہر لکھتے ہیں:

”لیجر بک میں اندراج شرعاً قبضہ ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اندراج کی کارروائی روپے جمع کرنے والے نہیں کرتے بلکہ بینک کے ملازمین کرتے ہیں اس لیے روپے جمع کرنے والوں کی طرف سے دلالۃً بینک کا متعلقہ عملہ وکیل بالقبض ہوگا۔“ (مقالہ، ص:۱۲)

مولانا ابرار احمد اعظمی لکھتے ہیں: نظامِ بینک کاری کے تحت بینک کا متعلقہ عملہ ضرور وکیل بالقبض ہے، کیوں کہ صارف کے اکاؤنٹ میں جو بھی روپیہ جمع کیا جاتا ہے، اولاً اسے بینک کا عملہ ہی اپنے قبضہ میں لیتا ہے، پھر لیجر بک میں اندراج کرکے کھاتے دار کو اس درج شدہ رقم میں تصرف کا اختیار دیتا ہے تو لازماً یہاں بینک کا عملہ روپے جمع کرنے والوں کی طرف سے دلالۃً وکیل بالقبض ہے۔“ (مقالہ، ص:۵)

باقی حضرات نے بڑے اختصار کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے۔

تیسرا موقف: یہ ہے کہ بینک کا متعلقہ عملہ بعض صورتوں میں روپے جمع کرنے والوں کا وکیل بالقبض ہو سکتا ہے، مثلاً زید نے عمرو کے کھاتے میں بطور ہدیہ ایک ہزار روپے جمع کیے، بینک کے متعلقہ عملہ نے عمرو کے لیجر بک میں اس کا اندراج کیا تو یہ عرفاً قبضہ ہو گیا اور متعلقہ عملہ عمرو کا وکیل بالقبض ہوا، لہٰذا عملہ کا اندراج عمر کے قبضہ کے قائم مقام ہوا۔ اور بعض صورتوں میں متعلقہ عملہ کھاتے داروں کا وکیل بالقبض نہیں ہو سکتا مثلاً زید کی جمع شدہ رقم پر بطور انٹرسٹ ایک ہزار کی رقم زید کے کھاتے میں آگئی، یہ بینک کو قرض دی گئی رقم پر زائد مالِ مباح ہے، جس پر لیجر بک میں اندراج سے زید کا عرفاً قبضہ مان لیا گیا ہے، لیکن متعلقہ عملہ کو زید کا وکیل بالقبض ماننا درست نہیں، کیوں کہ مالِ مباح میں توکیل صحیح نہیں۔ یہ موقف مولانا رضاء الحق اشرفی کا ہے۔

حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب بینک کے عملہ کی مختلف جہتیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہاں یہ **حل** بھی ممکن ہے کہ دوسرے کے بینک اکاؤنٹ میں کیش جمع کرنے کی تمام صورتوں میں جمع کرنے والے عملہ کو وکیل قبض تسلیم کیا جائے کیوں کہ وہ کھاتے داروں کی طرف سے روپے قبول کرکے ان کے کھاتوں میں اندراج کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ عملہ بینک کا قائم مقام ہو کر اپنی ذات میں کئی طرح کی حیثیتوں کا جامع ہے۔

حکومت کا ملازم و اجیر خاص ہے جو مخصوص اوقات میں ڈیوٹی پر مامور ہوتا ہے اور حکومت کے لیے مختلف طرح کے کام کرتا ہے دَین لینا، دَین دینا، اجرت پر لوگوں کے کام کرنا، کفیل و محتال علیہ بننا۔

عوام الناس کے ذمہ جو مطالبہ ہے اسے اپنے ذمہ بھی لینا، یا صرف اپنے ذمہ لینا، ان صورتوں میں وہ عملہ کفیل یا مُحتال علیہ ہوتا ہے۔

اپنے کھاتے داروں کے کھاتوں میں دوسروں کے دیے ہوئے کیش جمع کرکے ان کے کھاتوں میں درج کرنا، اس حیثیت سے وہ اپنے کھاتے داروں کے وکیل قبض ہوئے۔

فتاوی ہندیہ، کتاب الوکالۃ میں ہے:

معناها شرعًا : إقامةُ الإنسان غَيرَهٗ مقام نفسِه فی تصرّف معلوم حتّٰی أنّ التصرُّف إن لم یکن معلومًا تثبت أدنٰی تصرّفاتِ الوکیل و هو الحفظ. اھ.

(الفتاوی الهندیة ج ۳، ص: ۵٦۰، الباب الأول من کتاب الوکالة)

اور شخص واحد الگ الگ حیثیتوں سے کفالہ، حوالہ، وکالہ وغیرہ کا ذمہ دار ہو سکتا ہے کہ حیثیت بدل جانے کے بعد کوئی منافات نہیں رہ جاتی، مثلاً زید کسی کا اجیرِ مشترک ہو، کسی کا کفیل اور کسی کا وکیل یا محتال علیہ ہو تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں۔

پھر یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ کفالہ، وکالہ وغیرہ کی یہ تمام حیثیات در اصل بینک کو حاصل ہوتی ہیں جو غیر عاقل ہونے کی وجہ سے کوئی بھی ذمہ داری انجام نہیں دے سکتا اس لیے اس کی طرف سے اس کا عملہ یہ ذمہ داریاں انجام دیتا ہے اور اسی وجہ سے اس کی طرف کفیل و وکیل وغیرہ کی نسبت کی جاتی ہے۔

چھٹا سوال اور اس کے جوابات

آن لائن خرید و فروخت میں واسطہ کے طور پر جو عملہ کام کرتا

ہے انھیں خرید کردہ سامان کا وکیل بالقبض مانا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

اس سوال کے جواب میں دو موقف نظر آئے:

پہلا موقف: یہ ہے کہ آن لائن خرید و فروخت میں جو عملہ کام کرتا ہے وہ بائع کا اجیر و ملازم ہے، اس کی حیثیت صرف اجیر کی ہے، وہ مشتری کا وکیل بالقبض نہیں ہو سکتا، یہ موقف اکثر اہلِ علم کا ہے، البتہ بعض حضرات نے بڑے اختصار کے ساتھ اس کا جواب نفی میں دیا جب کہ بعض نے کچھ وضاحت بھی کی ہے۔

مولانا رفیق عالم مصباحی لکھتے ہیں:

”یہ عملہ مشتری کا وکیل بالقبض نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ بائع کی جانب سے اس کا اجیر و وکیل ہوتا ہے اور خرید و فروخت میں شخص واحد مشتری و بائع دونوں کا وکیل نہیں بن سکتا۔

”لأن الحقوق فی البیع إلی الوکیل فلو تولی طرفیه یصیر مطالبا و مطالبا.

البتہ سامان خریدنے کے بعد مشتری بائع یا اس کے وکیل سے کہہ دے کہ یہ سامان فلاں کے سپرد کر دو اور اس نے کر دیا تو مشتری کا قبضہ ما جائے گا۔ (مقالہ، ص:۴)

مولانا قاضی فضل رسول لکھتے ہیں:

”آن لائن خرید و فروخت میں جو عملہ واسطہ کے طور پر ہوتا ہے انھیں یا تو قاصد کہا جائے گا، اگر وہ سامان پہنچانے پر مامور ہو۔ یا۔ اجیر اگر حساب و کتاب کی شفافیت برقرار رکھنے اور اندراج کی صحت و درستی کو قائم رکھنے کے لیے ہو، وکیل بالقبض تو کسی بھی طرح نہیں ہو سکتے۔“

(مقالہ، ص:۷)

مفتی انفاس الحسن چشتی لکھتے ہیں:

”آن لائن خرید و فروخت میں جو عملہ کام کرتا ہے وہ خرید کردہ سامان کا وکیل بالقبض نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کمپنی کی جانب سے وکیل بالقبض ہوتا ہے، بلکہ وہ کمپنی کا اجیر محض ہوتا ہے۔“ (مقالہ، ص:۴)

دوسرا موقف: یہ ہے کہ آن لائن خرید و فروخت میں واسطہ کے طور پر جو عملہ کام کرتا ہے انھیں خرید کردہ سامان کا وکیل بالقبض مانا جاسکتا ہے، یہ موقف درج ذیل اہلِ علم کا ہے:

۱- مفتی عبد الرحیم اکبری -۲- مفتی شہاب الدین نوری براؤں شریف -۳- مفتی مبشر رضا ازہر۔

ان میں مفتی مبشر رضا ازہر نے یہ شرط لگائی ہے کہ کسی قسم کا غرر اور نقصان نہ ہو، وہ لکھتے ہیں:

”آن لائن خرید و فروخت کی جن صورتوں میں عاقدین کے لیے کسی قسم کا غرر، دھوکا اور نقصان نہ ہو تو آن لائن خرید و فروخت جائز ہے اور جو عملہ اس میں کام کرتا ہے بیع و شرا کرنے والوں کی طرف سے خرید کردہ سامان کا وہ وکیل بالقبض ہوگا۔“ (مقالہ، ص:۱۲)

یہ ہے مقالات کا خلاصہ اور دلائل کا ایک جائزہ۔ اب اس کے بعد درج ذیل امور تنقیح طلب ہیں:

☆ تنقیح طلب امور ☆

❶ کتبِ فقہ میں قبضہ کی جو قسمیں مذکور ہیں وہ شرعاً یا مذہباً منصوص ہیں یا غیر منصوص؟

❷ اگر وہ منصوص ہیں تو یہ تقسیم مبنی بر عرف ہے- یا- کسی اور قاعدے پر اس کی بنیاد ہے؟

❸ کیا عرف و تعامل کی وجہ سے قبضہ کے مصادیق و اقسام میں مزید کوئی توسیع ہو سکتی ہے؟

❹ لیجر بک میں رقم کا مندرج ہو جانا، بلفظِ دیگر اکاؤنٹ میں رقم کا آجانا شرعاً قبضہ کا کوئی مصداق بن سکتا ہے یا نہیں؟

❺ اگر رقم کا درج ہو جانا شرعاً قبضہ ہے تو یہ حکم راس المال اور اس پر ملنے والے نفع دونوں کو عام ہے- یا- صرف راس المال کے ساتھ خاص ہے؟

❻ انٹرنیٹ کے ذریعہ بیع در بیع کے جو معاملات ہوتے ہیں یہ در حقیقت بیع قبل القبض ہیں یا بیع بعد القبض؟ بہر حال کمپیوٹر یا فیس بک وغیرہ میں اندراج شرعاً قبضہ ہے- یا- نہیں؟ اور کیا ان میں مبیع کا اندراج مفید جوازِ بیع ہے؟

❼ اس ضمن میں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ اشیاے منقولہ و غیر منقولہ دونوں کا حکم یکساں ہوگا- یا- مختلف؟

❽ بینک کا عملہ محض بینک کا اجیر و ملازم ہے- یا- روپے جمع کرنے والوں کا وکیل بالقبض بھی ہے؟

❾ آن لائن خرید و فروخت میں واسطہ کے طور پر جو عملہ کام کرتا ہے انھیں خرید کردہ سامان کا وکیل بالقبض مانا جاسکتا ہے یا نہیں؟

خلاصۂ مقالات بعنوان

ای-کامرس شرعی نقطۂ نظر سے

مولانا دستگیر عالم مصباحی

مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے تیئیس ویں فقہی سیمینار کے چار منتخب موضوعات میں دوسرا موضوع ہے "ای-کامرس شرعی نقطۂ نظر سے" اس موضوع پر کل اکیس علماے کرام کے گراں قدر مقالات مجلس کو موصول ہوئے جو مجموعی طور پر ۱۱۲ر صفحات پر مشتمل ہیں۔

سوال نامے کی ترتیب کا کام حضرت مولانا حبیب اختر مصباحی صدر شعبۂ کمپیوٹر و استاذ انگریزی جامعہ اشرفیہ نے کیا ہے۔ موصوف نے پہلے اس جدید طریقۂ تجارت کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

انٹرنیٹ کے ذریعہ مختلف سامانوں یا خدمات جیسے ہوائی جہاز اور ریلوے ٹکٹ وغیرہ کی خرید و فروخت کو ای-کامرس کہتے ہیں۔ یہ ایک آسان، کم خرچ اور تیز رفتار تجارت ہے۔ اس میں نہ عاقدین ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور نہ مشتری اصل مبیع کو دیکھ پاتا ہے بلکہ بائع ویب سائٹ پر اپنے سامانوں کی تصویریں، ان کے اوصاف، قیمتیں اور اپنے اصول و ضوابط درج کر دیتا ہے جسے دیکھ اور پڑھ کر مشتری خرید لیتا ہے ـــــ وہ ویب سائٹ کبھی تو خود سامان تیار کرنے والی کمپنی کی ہی ہوتی ہے اور کبھی کمپنی صرف مال تیار کرنے کا کام کرتی ہے اور ویب سائٹ دوسری کمپنی کی ہوتی ہے جو فروختگی کا کام سامان کی مالک کمپنی کی اجازت سے اجرت پر کرتی ہے۔ جب کوئی مشتری کسی سامان کے متعلق اپنی منظوری دے دیتا ہے تو ویب سائٹ کا مالک مشتری کا آرڈر مال تیار کرنے والی کمپنی کو بھیج دیتا ہے اور پھر کمپنی سامان مشتری تک پہنچا دیتی ہے۔

مبیع کو مشتری تک پہنچانے کے خرچ کو کبھی کمپنی بطور تبرع خود برداشت کرتی ہے اور کبھی مشتری سے وصول کرتی ہے۔ اس کی بھی تفصیل ویب سائٹ پر فراہم رہتی ہے۔ رہی بات ثمن کی ادائگی کی تو اس کے بھی دو طریقے ہوتے ہیں، ایک آن لائن ادائگی جو زیادہ صورتوں میں ہوتی ہے اور دوسرے سامان مشتری کے پاس پہنچنے پر نقد ادائگی۔ اس میں کبھی مبیع اسٹاک میں موجود نہیں رہتی، جس سے مشتری کو ویب سائٹ پر ہی آگاہ کر دیا جاتا ہے مگر اس صورت میں ایک متعیّنہ مدت کے اندر اسے فراہم کر کے مشتری تک پہنچانے کا کمپنی وعدہ کرتی ہے پھر مشتری اپنے اختیار سے اسے خریدنے کی منظوری دے دیتا ہے۔ اسی طرح کبھی ایک مشتری سامان خرید کر قبضہ سے پہلے ہی دوسرے سے اور دوسرا تیسرے سے بیع در بیع کر دیتا ہے اور بہت ہی آسانی کے ساتھ ہر ایک نفع کما لیتا ہے۔

اس طریقۂ تجارت کے فوائد تو بالکل ظاہر ہیں کہ روپیوں اور تھیلوں کے ساتھ بازار کا چکر لگائے بغیر کہیں بھی اپنے کمپیوٹر یا موبائل کو استعمال کر کے مشتری خریدنے کا سارا کام کم خرچ میں آسانی سے کر لیتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ آن لائن ثمن کی پیشگی ادائگی کی صورت میں کچھ نقصانات کا بھی اندیشہ رہتا ہے، ایک تو یہ کہ مبیع مشتری تک نہ پہنچے بلکہ کوئی دوسرا افراڈ کر کے حاصل کر لے۔ اس صورت میں مشتری اگرچہ قانونی چارہ جوئی کر کے اپنا حق حاصل کر سکتا ہے مگر مطلوبہ سامان وقت پر نہ ملنے کی پریشانی اور ذہنی الجھن سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا، دوسرا اندیشہ یہ رہتا ہے کہ اس کے بینک اکاؤنٹ کی خفیہ معلومات چوری ہو جائیں اور چور اس کے اکاؤنٹ سے رقم چوری کر لے۔

اس تعارف کے بعد مرتبِ سوال نے علماے کرام کی بارگاہ میں پانچ سوالات حل کرنے کے لیے پیش کیے ہیں۔

پہلا سوال اور اس کے جوابات

سوال: "مشتری نے ویب سائٹ پر مبیع کا فوٹو اور اس کے اوصاف معلوم کر کے سامان خرید لیا تو کیا اس صورت میں مشتری کو خیارِ رویت اور خیارِ عیب حاصل رہے گا، یا ویب سائٹ پر موجودہ معلومات سے ساقط ہو جائے گا۔"

جوابات

اس سوال کے جواب میں تمام علماے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر بائع نے عقد تمام ہونے سے پہلے ہی مبیع کے اندر عیب سے براءت ظاہر نہیں کر دی ہے تو خیارِ عیب باقی رہے گا۔ مگر خیارِ رویت کے متعلق بنیادی طور پر دو موقف سامنے آئے۔

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

پہلا موقف: یہ ہے کہ ویب سائٹ پر ہونے والی بیع، بیع سلم یا بیع استصناع ہوتی ہے تو بیع سلم کی صورت میں خیارِ رویت حاصل نہ ہوگا اور استصناع کی صورت میں حاصل رہے گا۔

یہ موقف صرف ایک مقالہ نگار مولانا محمد مبشر رضا ازہر مصباحی کا ہے وہ پہلے بیع سلم اور بیع استصناع کی تعریف و شرائط کتبِ فقہ کی رشنی میں تحریر کرتے ہیں، پھر مذکورہ بیع کے متعلق بیع سلم یا بیع استصناع کا دعویٰ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”لہٰذا بیع سلم کی صورت میں اگر ویب سائٹ پر بیع ہوئی ہے تو وہ بیع عقد لازم ہے، بائع کو خیارِ رویت حاصل نہیں ہوگا۔ اس لیے معلوم کردہ اوصاف کے مطابق مبیع سپرد ہوئی ہے تو مشتری پر لازم ہے کہ وہ سامان لے لے اور اگر معلوم کردہ اوصاف کے مطابق نہیں ہے تو انھیں (بائع کو) سامان کے واپس لینے اور معلوم کردہ اوصاف کے مطابق سامان سپرد کرنے پر مجبور کیا جائے گا کہ بیع سلم میں مسلم فیہ (مبیع) بائع پر دین ہوتا ہے۔

بہار شریعت میں ہے:

بیع سلم کا حکم یہ ہے کہ مسلم الیہ ثمن کا مالک ہو جائے گا اور رب السلم مسلم فیہ کا۔ جب یہ عقد صحیح ہو گیا اور مسلم الیہ نے وقت پر مسلم فیہ کو حاضر کر دیا تو رب السلم کو لینا ہی ہے، ہاں اگر شرائط کے خلاف وہ چیز ہے تو مسلم الیہ کو مجبور کیا جائے گا کہ جس چیز پر بیع سلم منعقد ہوئی وہ حاضر لائے۔ (بہارِ شریعت، جلد:۲، ص:۷۹۸)

اور اگر ویب سائٹ پر بیع، بیع استصناع کے طور پر منعقد ہوئی ہے تو مشتری کو خیار رویت و خیار عیب دونوں حاصل رہیں گے جیسا کہ بحر الرائق کی عبارت سے یہی روشنی ملتی ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

وله الخيار أي للمستصنع الخيار إذا رأى المصنوع لما قدمنا انه اشترى مالم يره بخلاف السلم لانه لافائدة فى اثبات الخيار فيه لانه كلما رده عليه اعطاه غيره لكونه غير متعين إذ المسلم فيه في الذمة فيبقى فيها الى أن يقبضه. (٦/ ٢٨٥)

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

والمستصنع بالخيار إن شاء أخذه و إن شاء تركه ولا خيار للصانع وهو الأصح . (٣/ ٢٠٨)

(مقالہ مولانا مبشر رضا ازہر مصباحی ص:۳)

دوسرا موقف: یہ ہے کہ خیارِ رویت مطلقاً باقی رہے گا، یہ موقف باقی تمام ۱۹؍ علماے کرام کا ہے۔ ان حضرات کی دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ خیارِ رویت اصل مبیع کی رویت پر معلق ہوتا ہے، جب اصل کی رویت پائی جائے گی تو اس وقت وہ خیار حاصل ہوگا، یہی وجہ ہے کہ دیکھنے سے پہلے ہی اگر مشتری اپنا یہ خیار ساقط کر دے، جب بھی ساقط نہ ہوگا، کیوں کہ یہ تو اس کے وجود سے پہلے ہی ساقط کرنا ہے، جو کسی طرح ممکن نہیں۔ اور ویب سائٹ پر مبیع کا فوٹو دیکھا جاتا ہے جو اصل کے مغائر ہے، اس لیے اصل مبیع کو دیکھنے کے وقت یہ خیار ضرور باقی رہے گا۔ اور عیب سے عدمِ براءت کی صورت میں خیارِ عیب بھی حاصل رہے گا۔

خیار عیب سے متعلق ہدایہ میں ہے:

وإذا اطلع المشترى على عيب فى المبيع فهو بالخيار ان شاء اخذ بجميع الثمن و ان شاء رده لان مطلق العقد يقتضى وصف السلامة فعند فواته يتخير كي لا يتضرر بلزوم ما لا يرضى به.“

(هدايه علىٰ هامش الفتح، ج:٦، ص:٣٢٧، ٣٢٨)

(مقالہ قاضی فضل احمد مصباحی، ص:۱)

عالم گیری میں ہے:

خيار العيب يثبت من غير شرط هذا فى السراج الوهاج واذا اشترى شيئا لم يعلم بالعيب وقت الشراء ولا علمه قبله والعيب يسير أو فاحش فله الخيار ان شاء رضى بجميع الثمن و ان شاء رده كذا فى شرح الطحاوى. (ج:٣، ص:٦٦)

بہارِ شریعت میں ہے:

اور بائع نے کہہ دیا کہ میں ہر عیب سے بری الذمہ ہوں، یہ بیع صحیح ہے۔ اور اس مبیع کے واپس کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ یوں ہی اگر بائع نے کہہ دیا لینا ہو تو لو، اس میں سو طرح کے عیب ہیں، یا یہ مٹی ہے، یا اسے خوب دیکھ لو، کیسی بھی ہو میں واپس نہیں کروں گا، یہ عیب سے براءت ہے، جب ہر عیب سے براءت کر لے تو جو عیب وقت عقد موجود ہے یا عقد کے بعد قبضہ سے پہلے پیدا ہوا، سب سے براءت ہو گئی۔ (ج:۲، ح:۱۱، ص:۶۸۸) (مقالہ مولانا محمد شاہد رضا مصباحی، ص:۸)

خیار رویت سے متعلق تنویر الابصار اور درِ مختار میں ہے:

وله أن يرده و ان رضى بالقولَ قبله لأن خياره معلق بالرو ية بالنص ولا وجود للمعلق قبل الشرط.“

(ج:۷/ ۱۵۲ — ۱۵۱) (مقالہ مولانا ممتاز احمد مصباحی، ص:۱)

حاشیة الشلبی علی التبیین میں ہے:

قال فی التحفة: لو نظر فی المرآة فرأى المبيع قالوا: لا يسقط خياره لانه ماراى عينه وانما راى مثاله. (حاشية الشلبي على التبيين، ج:٤، ص:٣٢١)

جوہرہ نیرہ میں ہے:

ولو راى ما اشتراه من وراء زجاجة أو فی مرآة أو كان المبيع على شفا حوض فراه فى الماء فليس ذلك برو ية وهو على خياره. اه. (ج:٢، ص:٢٣١)

(مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، ص:۱)

مولانا ابرار احمد اعظمی اصل سوال کا جواب لکھنے کے بعد مزید افادہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"البتہ الیکٹرانک آلہ کے ذریعہ جو تجارت وجود میں آتی ہے، اس میں خریدار کو اصل مبیع دیکھنے کا اس وقت موقع ملتا ہے، جب کہ مبیع اس کے گھر یا مکانِ موعود تک پہنچ جاتا ہے اس لیے خیارِ مذکور کی وجہ سے مبیع کا رد کیا جانا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ خریدار مبیع کو بائع تک لوٹا دے۔ پھر بائع تک لوٹانے میں نقل وحمل کے جو اخراجات ہوں گے وہ بذمۂ خریدار ہوں گے۔

☆درِ مختار میں ہے:

(وله) أي للمشتري (ان يرده اذا رآه) الا إذا حمله البائع لبيت المشتري فلا يرده إذا رآه إلا إذا أعاده إلى البائع، اشباه. اه (ج:٤، ص:٧١) (مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، ص:۲)

دوسرا سوال اور اس کے جوابات

سوال: مبیع پر ملکیت ثابت ہونے سے پہلے اسے فروخت کرنا کیسا ہے؟

جوابات

اس سوال کے جواب میں علمائے کرام کے تین قسم کے نظریات ہیں۔

پہلا نظریہ: یہ نظریہ صرف مولانا محمد سلیمان مصباحی کا ہے جو دلیل کے ساتھ انھی کے الفاظ میں یہ ہے:

"مبیع پر جب تک ملکیت ثابت نہ ہو اس وقت تک وہ غیر کا مملوک ہوگا اور غیر مملوک کو فروخت کرنے کی صورت میں وہ عقد فضولی ہوگا کہ مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فضولی اگر مال غیر کو اپنا ٹھہرا کر بیچے تو ظاہر الروایہ یہی ہے کہ مستحق کو اختیار اجازت حاصل ہے یعنی بیع باطل نہ ہوگی اور اجازت مالک پر موقوف رہے گی۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۱۰)

بدائع الصنائع میں ہے:

وكذا الملك أو الولاية ليس بشرط لانعقاد البيع عندنا بل هو شرط النفاذ حتىٰ يتوقف بيع الفضولى.

(ج:٤، ص:٣٢١) (مقالہ مولانا محمد سلیمان مصباحی، ص:۲)

دوسرا نظریہ: یہ ہے کہ یہ جائز ہے، کیوں کہ یہ بیع استصناع ہے جس میں مشتری کے لیے مبیع میں حکماً ملک ثابت ہوتی ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

"اما حكم الاستصناع فهو ثبوت الملك للمستصنع فى العين المبيعة في الذمة، وثبوت الملك للصانع في الثمن ملكا غير لازم."

(ج:٥، ص:٤، برکاتِ رضا پور بندر)

یہ نظریہ مولانا منظور احمد خاں عزیزی کا ہے۔ اور مولانا خالد ایوب مصباحی اسے حتمی طور پر بیع استصناع تو قرار نہیں دیتے مگر اس طریقۂ تجارت کے دن بہ دن بڑھنے کی وجہ سے اسے استصناع میں شامل مان کر جائز قرار دینے کی سفارش کرتے ہیں۔ اور پہلے بائع و مشتری کے بعد کی بیعوں کو صرف وعدۂ بیع کہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"الغرض مبیع پر ملکیت سے پہلے مبیع کو کسی کے ہاتھ بیچنے کا کوئی مطلب نہیں۔ اس طرح کی بیع کو شرعاً بیع نہیں قرار دیا جا سکتا، لیکن چوں کہ اس طرح کی بیوع کا سلسلہ اب کچھ محدود نہ رہا، بلکہ عند التجار دن بہ دن اس قسم کی بیوع عام سے عام تر ہوتی جا رہی ہیں، اس لیے اسے "بیع استصناع" کے زمرے میں شامل کیا جانا چاہیے اور پہلے بائع و مشتری کی بیع، بیع استصناع ہونی چاہیے۔ جب کہ بعد والوں کی بیع چوں کہ کسی زمرے میں شامل نہیں، اس لیے اسے زیادہ سے زیادہ وعدۂ بیع کہا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" (مقالہ مولانا خالد ایوب مصباحی، ص:۴)

تیسرا نظریہ: یہ ہے کہ مبیع پر ملکیت ثابت ہونے سے پہلے اسے فروخت کرنا ناجائز ہے، یہ نظریہ باقی تمام ۱۸؍ علمائے کرام کا ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

●ترمذی شریف میں ہے:

"عن حكيم بن حزام قال: نهاني رسول الله ﷺ أن أبيع ما ليس عندي." (ج:١، ص:١٤٨، ابواب البيوع، باب ماجاء فى كراهية بيع ما ليس عنده، مجلس بركات)

● عن حكيم بن حزام قال: أتيت رسول الله ﷺ فقلت: ياتيني الرجل يسئلني من البيع ما ليس عندى أبتاع له من السوق ثم أبيع؟ قال: لا تبع ما ليس عندك.“(مصدر سابق)

● مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے:

”(لا تبع ما ليس عندك) أي شيئا ليس في ملكك حال العقد.“ (٦/١٨)

● ردالمحتار میں ہے:

”وشرط المعقود عليه ستة، كونه موجودا، مالا متقوما، مملوكا في نفسه، وكون الملك للبائع فيما يبيعه لنفسه، وكونه مقدور التسلم.“ (ج:٤، ص:٦، كتاب البيوع، مطلب شرائط البيع انواع اربعة)

● تنویر الابصار مع درِ مختار و ردالمحتار میں ہے:

”(و[بطل] بيع ما ليس في ملكه) لبطلان بيع المعدوم وماله خطر العدم (الا بطريق السلم) فانه صحيح لانه عليه السلام نهى عن بيع ما ليس عند الإنسان، ورخص في السلم.

(قوله: بيع ما ليس في ملكه) أي بيع ما سيملكه قبل ملكه له.“(ج:٤، ص:١١٨، كتاب البيوع)

اس موقف کے حاملین میں بعض حضرات نے صرف عدم جواز کا حکم بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، مگر بعض حضرات نے یہاں پر پیدا ہونے والے کچھ شبہات کو ذکر کرکے ان کا ازالہ بھی کیا ہے اور کچھ ایسے بھی علمائے کرام ہیں جنھوں نے تعامل کا سہارا لے کر یا انتہاءً تعاطی مان کر اس بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی یہاں بیع فضولی کے امکان کو خارج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ بیع فضولی کی صورت نہیں، جس میں انعقاد بیع اہلِ اجازت مالک کی اجازت پر موقوف رہتا ہے کہ وہ اجازت دے تو بیع جائز ہو لأن الاجازة اللاحقة كالوكالة السابقة، رد کر دے تو رد ہو جائے۔

بیع فضولی میں فروخت کنندہ اجنبی، مبیع کو اپنے لیے نہیں، مالک ہی کے لیے بیچتا ہے، اس سامان کے مالک کو ہی اس مبیع کا مالک سمجھتا ہے، بس یہ ہے کہ اس نے قبل بیع، تصرف بیع کے لیے مالک سے اجازت نہیں لی ہے۔ در مختار میں ہے:

الفضولي هو من يتصرف فى حق غيره بغير اذن شرعي. (جلد:٧، ص:٣١١، باب البيع الفاسد)

بلکہ یہ بیع ما سیملکہ قبل ملکہ لہ کے قبیل سے ہے یعنی مالک ہونے سے قبل جب عن قریب اس کی ملک میں وہ چیز آنے والی ہو، اس کی بیع۔ تو یہ مبیع وقت بیع معدوم و غیر مملوک بائع ہوئی۔ اور ایسی چیز کی بیع سوائے بیع سلم کے باطل ہے۔ مختصر یہ کہ مسئلہ دائرہ میں بزعم مشتری وہ اصیل ہے، وکیل اور فضولی نہیں۔ اور بیع فضولی میں بائع اجنبی نہ وکیل ہے نہ اصیل۔ هذا ما ظهر لى وهو تعالىٰ اعلم. (مقالہ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، ص:٣)

مولانا ابرار احمد اعظمی صاحب نے اس کے جواز کی راہ یوں نکالنے کی تجویز پیش کی ہے:

”**جواز کا راستہ:** مبیع پر ثبوت ملکیت سے پہلے عاقدین کے درمیان الکٹرانک آلہ کے ذریعہ ہونے والی گفتگو کو بیع نہ ٹھہرا کر ایک قرار داد ٹھہرایا جائے۔ پھر مبیع پر بائع کا مالکانہ قبضہ ثابت ہو جانے کے بعد وہ خریدار کے سپرد کر دے تو اب یہ بیع، بیعِ مطلق بطریق تعاطی منعقد ہوگی، جس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: عمرو نے اس سے شیشیاں مانگیں، اس کے پاس نہ تھیں، خرید کر دینا کہا اور قیمت فیصل کر لی، عمرو نے اسے پیشگی روپے دے دیے۔ یہ صورت بیع کی نہ ہوئی صرف ایک وعدہ و قرار داد ہوا۔ اھ۔

(فتاویٰ رضویہ، ج:٧، ص:٣٣)(مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، ص:٣)

مولانا محمد مبشر رضا ازہر مصباحی خاص غیر مسلم کے ساتھ اس بیع کو صحیح مانتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مبیع پر ملکیت سے پہلے یا قبضہ سے پہلے مذکورہ عقد اگر غیر مسلم کے ساتھ ہو تو بلا شبہہ یہ بیع جائز ہے کہ عقود فاسدہ کے ذریعہ غیر مسلم سے بیع جائز ہے۔ (مقالہ مولانا مبشر رضا ازہر مصباحی، ص:٤)

اور چار علمائے کرام مولانا ممتاز احمد مصباحی، مولانا محمد سعید رضا مصباحی، مولانا صباح الدین مصباحی اور مولانا قاضی فضل رسول مصباحی نے تعامل ہو جانے کی تقدیر پر اس بیع کے جواز کا قول کیا ہے۔ اول الذکر مقالہ نگار لکھتے ہیں:

”ہاں اگر کسی مبیع پر ملکیت ثابت ہونے سے پہلے اس کی فروخت پر تعامل ہو تو یہ جائز ہے، کتب فقہ میں ایسی کثیر بیعوں کا ثبوت ملتا ہے جو کسی زمانہ میں مبیع کے غیر مملوک، غیر مقبوض ہونے، یا شرط فاسد کی وجہ سے فاسد قرار دی جاتی تھیں، بعد میں تعامل کی وجہ سے وہ تمام چیزیں جائز ہو گئیں۔ ہدایہ میں ہے:

كل شرط لا يقتضيه العقد و فيه منفعة لاحد

المتعاقدين يفسده الا ان يكون متعارفا لان العرف قاض على القياس. (ملخصاً، ج:٣، ص:٤٣، باب البيع الفاسد)

باغ کے کچھ پھل نکل چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں تو ظاہر مذہب حنفی میں ان پھلوں کی بیع ناجائز و باطل ہے، مگر بعد میں فقہا نے تعامل ناس کی وجہ سے اس بیع کی اجازت دے دی، فتاویٰ رضویہ میں ہے:

بحر الرائق میں امام جلیل ابو بکر محمد بن فضل فضلی سے ہے:

أستحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاطوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم فى ذلك عادة ظاهرة وفى نزع الناس عن عادتهم حرج.

میں اسے لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اچھا سمجھتا ہوں کہ لوگ انگور کے پھلوں کی بیع اس طور پر کرتے ہیں، یہ ان کی عادت ظاہرہ ہے اور لوگوں کی عادت چھڑانے میں حرج ہے۔ رد المحتار میں ہے:

قلت لا يخفى تحقق الضرورة فى زماننا لا سيما فى مثل دمشق كثيرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن الزامهم بالتخلص باحد الطرق المذكورة و ان امكن بالنسبة إلى بعض افراد الناس لا يمكن بالنسبة الى عامتهم وفى نزعهم عن عادتهم حرج كما علمت و يلزم تحريم اكل الثمار فى هذه البلدان اذ لاتباع الا كذلك.(فتاویٰ رضویہ، کتاب الاجارة، ج:٨، ص:٢٠٧، ٢٠٨، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

(مقالہ مولانا ممتاز احمد مصباحی، ص:١)

اور مولانا صباح الدین مصباحی نے اگر ایک جانب مسئلہ دائرہ میں تعامل کے تحقق کی بات کہی ہے تو وہیں دوسری جانب قاضی فضل رسول مصباحی نے اس کا انکار کیا ہے۔

تیسرا سوال اور اس کے جوابات

سوال: "مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کرنا کیسا ہے؟ اب یہ عمل عام ہو چکا ہے کہ آن لائن سامان کسی سے خریدا، پھر قبضے سے پہلے ہی دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا، اور دوسرے نے بھی قبضے سے پہلے تیسرے کے ہاتھ، پھر چوتھے، پانچویں وغیرہ بھی اسی طور پر آن لائن خرید و فروخت کرتے رہے۔ سامان سے نفع کما رہے ہیں مگر سامان ایک جگہ پڑا ہوا ہے، اس کے بارے میں آج کے حالات کے تناظر میں شرعاً کچھ تخفیف ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جوابات

اس سوال کے جواب میں اتنی بات پر تو سبھی مقالہ نگار حضرات متفق ہیں کہ منقول مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کو فروخت کرنا اصل کے اعتبار سے ناجائز ہے — دلائل یہ ہیں:

✽ حدثنا على بن عبد الله، حدثنا سفيان، قال: الذى حفظناه من عمرو بن دينار سمع طاؤساً يقول سمعت ابن عباس رضى الله عنهما يقول: أما الذى نهى عنه النبى ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض، قال ابن عباس: ولا أحسب كل شئ إلا مثله. (الصحيح للبخارى، كتاب الجمعة، باب من انتظر حتى تدفن، باب بيع الطعام قبل أن يقبض و بيع ما ليس عندك)

✽ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه، قال ابن عباس: وأحسب كل شيءٍ بمنزلة الطعام. (الصحيح لمسلم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض)

✽ عن حكيم بن حزام قال قلت: يا رسول الله إنى أبتاع هذه البيوع فما يحل لى منها وما يحرم علىَّ؟ قال: يا ابن أخى! لا تبيعن شيئًا حتى تقبضه. هذا إسناد حسن متصل. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب البيوع، باب النهى عن بيع مالم يقبض و إن كان غير طعام)

(مقالہ مولانا خالد ایوب مصباحی، ص:٥)

✽ من شروط صحة البيع القبض فى بيع المشترى المنقول، فلا يصح بيعه قبل القبض، لما روى أن النبى عليه الصلاة والسلام نهى عن بيع مالم يقبض، والنهى يوجب فساد المنهى. اھ.

(بدائع الصنائع، ج:٤، ص:٣٩٤)

✽ من اشترى شيئاً مما ينقل ويحول لم يجز بيعه حتى يقبضه لانه عليه الصلاة والسلام نهىٰ عن بيع مالم يقبض ولان فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك، ويجوز بيع العقار قبل القبض عند ابى حنيفة و ابى يوسف رحمهما الله وقال محمد رحمه الله: لا يجوز رجوعا الى اطلاق الحديث و اعتبارا بالمنقول. اھ

(هدايه، ج:٣، ص:٨٥)(مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، ص:٣،٤)

لیکن اس اتفاق کے بعد آن لائن رواج پانے والی اس بیع کے جواز کی جو صورتیں علمائے کرام نے بیان کی ہیں ان میں خاصا تنوع پایا جاتا ہے۔

آٹھ افراد پر مشتمل علما کا ایک بڑا طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ اگر اس طرح کی بیع پر مسلمانوں کا تعامل ہو جائے تو جائز ہے، ان میں سے تین حضرات تعامل کا تحقق بھی مانتے ہیں جب کہ پانچ حضرات میں سے کچھ اس کے انکاری اور کچھ متردد ہیں۔ تعامل کی وجہ سے اس بیع فاسد کے جائز ہو جانے کے دلائل وہی جزئیات ہیں جو جواب نمبر (۲) کے تحت گزر چکے ہیں۔

مولانا ابرار احمد اعظمی صاحب تعامل مانتے ہوئے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی طرف رجوع کرکے جواز کا حکم دینے کی رائے دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”آج کے حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ کاروباری معاملات اور معاشی حاجات کی تنگ ودو میں ای کامرس کے توسل سے بیع قبل القبض کی وبا میں تاجر پیشہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بھی ملوث نظر آرہا ہے۔

اب ہمارے سامنے دو صورتیں ہیں: یا تو نص مذہبی اور فقہ حنفی کی روشنی میں بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دے کر اس کاروبار میں ملوث افراد کو منع کریں یا حالات سے سمجھوتا کرتے ہوئے اپنے ہی مذہب کے اصول وآئین کی روشنی میں کوئی حل تلاش کریں۔ راقم الحروف کی رائے میں یہی صورتِ ثانیہ آسان معلوم ہوتی ہے کہ اس میں دفعِ حرج بھی ہے۔ ”لأن فی النزع عن عادات الناس حرجا، والحرج مدفوع شرعا“ اور حاجاتِ ناس کی رعایت بھی۔ وقد جوزوا الاستصناع لحاجات الناس۔

اس لیے بیع قبل القبض کے تعلق سے تاجر پیشہ مسلمانوں کو مرتکب معصیت ہونے سے بچانے کے لیے یہ ناچیز ارباب حل وعقد کی توجہ اسباب ستہ یا سبعہ کی جانب مبذول کرنے کی درخواست کرتا ہے، جس کی روشنی میں بیع قبل القبض کے مسئلے میں امام دار الہجرہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی طرف رجوع کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ وھو الموافق لھذا الزمان۔ (مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، ص:۶،۵)

مگر مفتی آل مصطفیٰ صاحب اس مسئلے میں تعامل کو غیر معتبر قرار دیتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

”مسئلہ مبحوث عنہا میں بیع قبل القبض کی صورت پر ایسا عرف متحقق نہیں جو باعث تخصیص نص ہو سکے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو ایسا عرف معتبر نہیں، جو بالکلیہ نص شارع کا رافع ہو، لہٰذا عرف کا سہارا لے کر اسے جائز کہنا روشِ فقہی سے دور جا پڑنا ہے۔“

(مقالہ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، ص:۶)

مولانا محمد عارف اللہ فیضی اور مولانا مبشر رضا ازہر مصباحی صرف حربی کافر سے اس طرح کی بیع کو جائز مانتے ہیں۔

مولانا عبدالرحیم اکبری صاحب کی رائے انھی کے الفاظ میں یہ ہے:

”لہٰذا اندریں حالات بہتر یہ ہے کہ خریدار درآمد کردہ مال پر اگر ایسا تصرف رکھتا ہو کہ جسے چاہے اور جس وقت چاہے فروخت کر سکے اور جہاں چاہے لے جا سکے تو ایسی خرید وفروخت قبضہ کے حکم میں ہو کر جائز ہوگی، چاہے یہ خرید وفروخت انٹرنیٹ یا فیکس کے ذریعہ کی جائے یا کسی اور ذریعہ سے۔“ (مقالہ مولانا عبدالرحیم اکبری، ص:۳)

مولانا جنید احمد مصباحی اور مولانا منظور احمد عزیزی نے مسئلہ دائرہ میں قبضۂ حکمی مانتے ہوئے اس بیع کے جواز کا قول کیا ہے۔ جب کہ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی نے اس قبضے کی بھی تردید کی ہے۔

البتہ تین علمائے کرام مفتی رضاء الحق اشرفی، مفتی شہاب الدین اشرفی اور مولانا خالد ایوب مصباحی کی رائے یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع، فاسد ہونے کی جو عقلی علّت ہے یعنی ”مبیع کی ہلاکت کی تقدیر پر غرر انفساخ عقد“ وہ یہاں متحقق نہیں، اس لیے یہ بیع اصالۃ جائز ہونی چاہیے۔

مفتی رضاء الحق اشرفی نے اپنے اس موقف کی وضاحت تفصیل کے ساتھ اپنے مقالے میں پیش کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں آن لائن جس مبیع کی بیع ہوتی ہے وہ نوع معین کا فرد غیر معین ہوتا ہے اور اس کے افراد کثیر ہوتے ہیں بلکہ اسٹاک ختم ہونے پر مزید بنتے رہتے ہیں اس لیے اس کے تمام افراد کے ہلاک ہونے کا اگر احتمال ہو بھی تو نادر ہوگا۔ جس پر بنائے حکم نہیں رکھی جا سکتی۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے مقالہ مفتی رضاء الحق اشرفی، ص:۱،۲)

چوتھا سوال اور اس کے جوابات

سوال: ”مبیع خارج میں موجود ہی نہیں ہے صرف اس کا نمونہ دکھا کر اسے فروخت کرنا کیسا ہے؟ اور یہ کس عقد شرعی میں آتا ہے؟

جوابات

اس سوال کے جواب میں سبھی مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بیع استصناع ہے جو تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔ اکثر حضرات نے اسے مطلقاً استصناع گردانا ہے، جب کہ دو حضرات مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی اور مولانا ممتاز احمد مصباحی نے یہ تفصیل کی ہے:

"مبیع خارج میں موجود نہ ہو، صرف اس کا نمونہ دکھا کر فروخت کر دیا جائے، اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر اس میں آرڈر دینے، سامان بنوانے کی فرمائش بالکل نہ ہو، محض بیع مطلق کی شکل ہو تو یہ معدوم کی بیع ہوگی اور کسی عقد شرعی میں داخل نہ ہوگی اور حرام و باطل ٹھہرے گی۔

تنویر الابصار وغیرہا میں ہے: بطل بيع المعدوم، فتاویٰ رضویہ میں اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں ہے:

"اگر لکڑی زید کے پاس اس وقت موجود نہ تھی تو یہ بیع حرام و باطل ہوئی۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۳۶)

اور اگر مشتری جانتا ہے کہ مبیع ابھی موجود نہیں ہے، نمونہ دیکھنے کے بعد اس کی طرف سے آرڈر دینے یا سامان بنوانے کی فرمائش جیسے الفاظ ہوں تو یہ "بیع استصناع" ہوگی۔ درِ مختار میں ہے:

الاستصناع – هو طلب عمل الصنعة – بأجل سلم، و بدونه فيما فيه تعامل الناس صحّ بيعا.

(كتاب البيوع، ج:۷، ص:...)

ہدایہ میں ہے:

وان استصنع شيئًامن ذلك بغير أجل جاز استحسانا للاجماع الثابت بالتعامل و في القياس لا يجوز ؛ لأنه بيع المعدوم، والصحيح انه يجوز بيعًا لاعدة والمعدوم قد يعتبر موجوداً حكماً.

(هدايه ج:۳، ص:۸۴)

یہ اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہوگی لہٰذا جن چیزوں کے بنوانے کا رواج فی زماننا ہو ان میں بیع استصناع درست ہوگی۔ اور مدت کے تعلق سے قول صاحبین پر عمل کیا جائے گا۔

(مقالہ مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی، ص:۷)

مفتی رضاء الحق اشرفی نے اس میں استصناع یا سلم ہونے کا احتمال ان کے شرائط کی تقدیر پر پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ماحصل یہ ہے کہ مبیع اگر خارج میں موجود نہ ہو اور اس کا نمونہ دکھا کر فروخت کیا جائے اور مدت (ایک ماہ یا اس سے زائد) بھی مذکور ہو اور اس میں بیع سلم کے شرائط موجود ہوں تو یہی بیع سلم ہے اور اگر مدت مذکور نہ ہو یا ایک ماہ سے کم ہو اور اس میں شرائط سلم جمع ہوں اور تعامل بھی ہو تو استصناع ہے۔ واللہ اعلم" (مقالہ مفتی رضاء الحق اشرفی، ص:۳)

مولانا خالد ایوب مصباحی کی رائے یہ ہے کہ یہ اگرچہ بیع استصناع یا سلم ہو کر جائز ہو سکتی ہے مگر عام تجار ان کی شرطوں کا لحاظ نہ کر کے گنہگار ٹھہریں گے اس لیے یہ کہا جائے کہ آج اشیاے غیر موجودہ کی خرید و فروخت میں اندیشہ ضرر نہیں تو اسے جائز ہونا چاہیے۔

اور مولانا عبدالرحیم اکبری نے اس قسم کی بیع در بیع میں پہلی بیع کو استصناع اور باقی کو وعدہ بیع قرار دیا ہے۔

پانچواں سوال اور اس کے جوابات

سوال: "اس تجارت میں سامان مشتری کے گھر یا اس کے مطلوب مقام تک پہنچانا ہوتا ہے، تو کیا یہ بیع مع شرط تو نہیں جو فاسد ہے؟"

جوابات

اس سوال کے جواب میں علماے کرام کے پانچ نظریات ہیں:

پہلا نظریہ: چوں کہ یہ بیع بیعِ سلم یا استصناع ہے اور ان دونوں میں مقام مطلوب تک سامان پہنچانے کی شرط موافق شرع ہے اس لیے بیع صحیح ہوگی۔

یہ نظریہ چار علماے کرام کا ہے جن کے اسماے گرامی درج ذیل ہیں:

۱- مفتی رضاء الحق اشرفی-۲- مولانا جنید احمد مصباحی-۳- مولانا محمد مبشر رضا ازہر مصباحی-۴- مولانا عبدالرحیم اکبری۔

دوسرا نظریہ: اس تجارت میں مشتری بطور شرط بائع کو سامان پہنچانے کا پابند نہیں بناتا بلکہ بائع خود کو ازراہ تبرع پابند بناتا ہے اس لیے یہ بیع مع شرط نہیں جو مفسد ہو بلکہ یہ صحیح ہے۔

اس نظریہ کے حامل درج ذیل تین علماے کرام ہیں:

۱- مولانا ممتاز احمد مصباحی -۲- مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی-۳- مولانا خالد ایوب مصباحی۔

ان میں آخر الذکر مقالہ نگار نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ بائع صرف تبرع کا اظہار کرتا ہے ورنہ در حقیقت ثمن ہی میں سامان پہنچانے کی اجرت بھی شامل کیے رہتا ہے لہٰذا افساد سے بچتے ہوئے اسے بائع کی جانب سے تبرع ہی مان کر جائز سمجھنا چاہیے۔

تیسرا نظریہ: یہ ہے کہ یہ شرط عقد کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ قبلِ عقد ہوتی ہے یا بعدِ عقد، لہٰذا یہ بیع مع شرط نہیں جو فاسد ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

وفي الذخيرة: اشترى حطبا في قرية شراء صحيحا وقال موصولا بالشراء من غير شرط في الشراء: احمله الى منزلي لا يفسد. (ج:۷، ص:۴۹۹)

اسی میں ہے:

قلت: وفی جامع الفصولین ایضا: لو ذکرا البیع بلا شرط ثم ذکرا الشرط علی وجه العقد جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد اذالمواعید قد تکون لازمة فیجعل لازما لحاجة الناس." (ص:۲۸/ ۷)

(مقالہ مولانا محمد معین الدین مصباحی، ص:۴)

یہ نظریہ مولانا معین الدین مصباحی اور مولانا منظور احمد عزیزی کا ہے۔

چوتھا نظریہ: یہ ہے کہ یہ ضرور بیع مع شرط ہے اور مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہے، کیوں کہ بیع مطلق میں بائع کے اوپر مبیع اسی جگہ سپرد کرنا ہوتا ہے جہاں وقتِ عقد مبیع موجود ہوتی ہے نہ کہ مشتری کے گھر پہنچانا اس پر لازم ہوتا ہے۔ عالم گیری میں ہے:

الأصل ان مطلق العقد یقتضی تسلیم المعقود علیه حیث کان المعقود علیه وقت العقد، ولا یقتضی تسلیمه في مکان العقد. هذا هو ظاهر مذهب اصحابنا رحمهم الله، حتی انه لو اشتری حنطة وهو فی المصر، والحنطة فی السواد یجب تسلیمها فی السواد، کذا فی المحیط. (ج:۳، ص:۲۷)(مقالہ مولانا محمد شاہد رضا مصباحی، ص:۱۱)

مگر تعامل کی وجہ سے جائز ہے، کیوں کہ فقہ کا ضابطہ کلیہ ہے:

کل شرط لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لاحد المتعاقدین یفسده الا ان یکون متعارفا لان العرف قاض علی القیاس. (هدایه، ج:۳، ص:۵۹، فاروقیه بک ڈپو، دهلی)(مقالہ مولانا ممتاز احمد مصباحی، ص:۲)

یہ نظریہ سات علمائے کرام کا ہے۔

پانچواں نظریہ: یہ شرط فاسد ہے۔ مگر اس طرح کی بیعوں کو تعامل کا سہارا لیے بغیر صحیح کیا جا سکتا ہے، یہ نظریہ مولانا رفیق عالم مصباحی کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے کیوں کہ اس میں مشتری کا نفع ہے کہ وہ دُکان تک پہنچنے کی پریشانی اور خرچے سے محفوظ رہتا ہے اور اگر بائع نے مبیع کی قیمت میں ہی پہنچانے کی اجرت شامل کر لیا ہے تو یہ اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے بھی ناجائز ہے۔

تصحیحِ فعلِ مسلم کی خاطر فون یا نیٹ پر متعاقدین کے درمیان بیع کے تعلق سے ہونے والی گفتگو کو وعدۂ بیع اور سامان پہنچانے کے وقت ہونے والے لین دین کو بیع تعاطی مان لیا جائے تو اس طرح کے معاملات جائز و صحیح ہو جائیں گے۔ عالم گیری میں ہے:

والشرط فی التعاطی الاعطاء من الجانبین.

(ج:۳، ص:۹)(مقالہ مولانا رفیق عالم مصباحی، ص:۴)

یہ تھا تمام مقالات کا خلاصہ، جس کی روشنی میں اب درج ذیل سوالات تنقیح طلب معلوم ہوتے ہیں:

تنقیح طلب سوالات

(۱) اگر بائع ویب سائٹ پر مبیع کے اوصاف بیان کر دے اور اس کا فوٹو بھی دے دے پھر بیان کردہ اوصاف اور فوٹو کے مطابق مبیع خریدار کو دست یاب ہو تو اسے خیار رویت حاصل ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر بائع مبیع کے اوصاف بھی بیان کر دے اور ساتھ ہی عیوب سے براءت بھی ظاہر کر دے تو ایسی صورت میں اگر مبیع بیان کردہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو خیارِ عیب حاصل رہے گا یا نہیں؟

(۳) اگر آن لائن بائع مبیع کا مالک نہ ہو بلکہ مالک سے معاہدہ کے تحت اجرت پر یہ کام کرتا ہو تو اس بیع کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟

(۴) مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کرنا تعامل کی وجہ سے جائز ہوگا یا ناجائز؟ اور اگر تعامل نہ ہو تو بھی جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ اور تعامل کا تحقق تمام مسلمانوں کی جانب نسبت کرتے ہوئے ہوگا یا آن لائن کاروبار کرنے والے افراد کے اعتبار سے ہوگا؟

(۵) اگر قبضہ سے پہلے بیع در بیع کا سلسلہ قائم ہو تو تمام بیعوں کا حکم ایک ہوگا یا پہلی بیع کا الگ اور اس کے بعد کی بیعوں کا الگ؟

(۶) مبیع منقول کی بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کی عقلی علّت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں عقد کے فسخ ہونے کا خطرہ شامل ہوتا ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے مبیع قبل تسلیم ہلاک ہو جائے، تو کیا واقعی یہ علّت یہاں آن لائن بیع میں نہیں پائی جاتی؟ اور اس کی وجہ سے اصالةً حکمِ جواز ہونا چاہیے؟

(۷) غیر موجود شئی کا صرف نمونہ دکھا کر فروخت کرنا کس عقد شرعی کے تحت آتا ہے؟ اور اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۸) آن لائن تجارت میں بائع کی طرف سے مبیع کو مشتری کے مقام مطلوب تک بشرط، بلا شرط، بعوض اور بلا عوض پہنچانے کے اعتبار سے کتنی صورتیں ہوتی ہیں؟ اور ان کے احکام کیا ہیں؟

خلاصۂ مقالات بعنوان

انتفاع کی شرط کے ساتھ دُکان، مکان وغیرہ کا رہن شرعی نقطۂ نظر سے

مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی

مجلس شرعی ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے چوبیسویں فقہی سیمینار کے لیے جن تین موضوعات کا انتخاب ہوا، ان میں ایک اہم موضوع ہے: ”**انتفاع کی شرط کے ساتھ دُکان، مکان وغیرہ کا رہن شرعی نقطۂ نظر سے**“۔ اس موضوع سے متعلق ملک کے مختلف خطوں سے تعلق رکھنے والے چالیس (۴۰) علماے کرام نے اپنی گراں قدر تحقیقات پیش کیں اور بیش قیمت مقالات تحریر کیے، جن کے صفحات کی مجموعی تعداد ایک سو بتیس (۱۳۲) ہے۔

اس موضوع سے متعلق سوال نامہ کی ترتیب محب گرامی مولانا محمد ناصر حسین مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے کی ہے۔ فاضل مرتب نے سوال نامے میں قرض دے کر شے مرہون سے مرتہن کے انتفاع کی صورتیں اور ان کا حکم تحریر کیا ہے۔ مقالہ نگار علماے کرام میں سے بھی بعض حضرات نے اختصار اور بعض نے تفصیل کے ساتھ مرتہن کے شے مرہون سے فائدہ اٹھانے کی صورتیں اور ان کا حکم زیب قرطاس کیا ہے، اور وہ یہ ہے:

شے مرہون سے انتفاع کی تین صورتیں:

(۱) عقد رہن میں مرہون سے انتفاع کی شرط ہو۔

(۲) عقد رہن میں مرہون سے انتفاع کی شرط نہ ہو، اور عقد کے بعد راہن مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دے دے۔

(۳) عقد رہن میں صراحۃً یہ شرط ہو کہ مرتہن شے مرہون سے نفع اٹھانے کا مُجاز نہ ہوگا، پھر عقد کے بعد راہن اپنی خوشی سے حسن سلوک کے طریقے پر مرتہن کو نفع اٹھانے کی اجازت دے دے، اور مرتہن صرف اس کی اجازت کی وجہ سے نفع اٹھائے، اپنا حق جان کر نفع نہ اٹھائے، جب وہ منع کرے بلا چوں چرا باز آجائے۔

● پہلی صورت میں رہن رکھ کر قرض لینا، دینا سود ہے جو ناجائز اور حرام ہے۔

● دوسری صورت جائز ہے، اصل حکم یہی ہے لیکن شے مرہون سے مرتہن کا انتفاع اس قدر عام و معروف ہے کہ مرتہن اسے اپنا واجبی حق جانتے ہیں، اگر معلوم ہو کہ نفع نہ ملے گا ہرگز عقد نہ کریں، اور راہن پر قرض کا دباؤ نہ ہو تو ہرگز اجازت نہ دے، اس عرف عام کی وجہ سے یہ انتفاع بھی انتفاع مشروط ہی کی طرح سود اور ناجائز و حرام ہے۔

❀ حدیث شریف میں ہے: كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (نصب الراية لأحاديث الهداية ، ج : ٤، ص: ٦٠، مؤسسة الريان للطباعة والنشر، بيروت ، لبنان.)

❀ ہدایہ میں ہے: وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِالرَّهْنِ لَا بِاسْتِخْدَامٍ وَلَا بِسُكْنٰى وَلَا لُبْسٍ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَه الْمَالِكُ ؛ لِأَنَّ لَه حَقَّ الْحَبْسِ دُونَ الِانْتِفَاعِ. وَلَيْسَ لَه أَنْ يَبِيعَ إِلَّا بِتَسْلِيطٍ مِنَ الرَّاهِنِ ، وَلَيْسَ لَه أَنْ يُؤَاجِرَ وَ يُعِيرَ؛ لِأَنه لَيْسَ لَه وِلَايَة الِانْتِفَاع بِنَفْسِه فَلَا يَمْلِكُ تَسْلِيطَ غَيْرِهٖ عَلَيْه ، فَإِنْ فَعَلَ كَانَ مُتَعَدِّيًا ، وَلَا يَبْطُلُ عَقْدُ الرَّهْنِ بِالتَّعَدِّي. (الهداية ج: ٤، ص: ٥٠٦، كتاب الرهن ، مجلس بركات، مبارك پور)

❀ در مختار میں ہے:

(لَا انْتِفَاعَ بِه مُطْلَقًا) لَا بِاسْتِخْدَامٍ ، وَلَا سُكْنٰى، وَلَا لُبْسٍ، وَلَا إِجَارَة، وَلَا إِعَارَة ، سَوَاءٌ كَانَ مِنْ مُرْتَهِنٍ أَوْ رَاهِنٍ (إِلَّا بِإِذْنٍ) كُلٍّ لِلْآخَرِ ، وَقِيلَ: لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ؛ لِأَنَّه رِبًا ، وَقِيلَ: إِنْ شَرَطَه كَانَ رِبًا، وَإِلَّا لَا. (الدر المختار المطبوع مع رد المحتار ج: ٧، ص: ٤٠، ٤١، كتاب الرهن، دار الفكر ، بيروت)

❀ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”في الفتاوىٰ الصغرىٰ وغيرها: إن كان النفع مشروطا في القرض فهو حرام والقرض بهذا الشرط فاسد، وإلّا جاز، ألا ترى أنّه لو قضاه أحسن مما عليه

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

لایکرہ، إذا لم یکن مشروطا، وقالوا: وإنما یحل ذٰلك عند عدم الشرط إذا لم یکن فیه عرف ظاهر، فإن کان یُعرف أن ذٰلك یُفعل کذٰلك، فلا.اھ ملخصاً.

منح الغفار میں جواہر الفتاویٰ سے ہے:

إذا کان مشروطا صار قرضا فیه منفعةٌ فهو ربًا، وإلا فلا بأس به.

ردالمحتار میں ہے:

ما في الجواهر یصلح للتوفیق وهو وجیه، و ذکروا نظیره فیما لو أهدی المستقرض للمقرض إن کانت بشرط کره و إلّا فلا.(فتاویٰ رضویه ج ۱۰، ص ۲۸۳، کتاب الرهن، رضا اکیڈمی ممبئی)

❀اسی میں ہے:

سوال: شے مرہونہ کو اپنے استعمال میں لانا، یا اس میں سکونت کرنا کسی طور سے جائز ہے، یا نہیں؟

جواب: کسی طرح جائز نہیں۔ حدیث میں ہے: "کل قرض جرّ منفعة فهو ربوا"…علامہ طحطاوی، پھر علامہ شامی خود شرح در مختار میں فرماتے ہیں: الغالب من أحوال الناس أنهم إنما یریدون عند الدفع الانتفاع، ولولاه لما أعطاه الدراهم، وهذا بمنزلة الشرط؛ لأن المعروف کالمشروط، وهو مما یعین المنع.انتهی. **أقول**: ولا شك أن هذا بعینه حال أهل الزمان یعرفه منهم کل من اختبر. و معلوم أن أحکام الفقه إنما تبنی علی الکثیر الشائع، و لا تذکر حال شذت و ندرت فیه الجواز کما نص علیه المحقق حیث أطلق فی فتح القدیر، وغیره من العلماء الکرام، فالحکم في زماننا هو إطلاق المنع لا یرتاب فیه من له إلمام بالعلم، و الکلام ههنا و إن کان طویلا فجملة القول ما ذکرنا.(فتاویٰ رضویه ج: ۱۰، ص: ۲۸۰، کتاب الرهن، رضا اکیڈمی ممبئی)

● تیسری صورت میں جب تک رضائے راہن رہے انتفاع جائز ہے؛لأن الصریح یفوق الدلالة لیکن ہندوستان کا عرف ورواج اس سے مکمل جدا ہے، یہاں یہ صورت نہیں پائی جاتی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "جب کہ زیادہ دینا نہ لفظاً موعود نہ عادةً معہود تو معنیٔ ربوا یقیناً مفقود، خصوصاً جب کہ خود لفظوں میں نفی ربا کا ذکر موجود، بلکہ یہ صرف ایک نوع احسان وکرم ومروت ہے اور وہ بے شک مستحب وثابت بہ سنت۔" (فتاویٰ رضویہ ج:۷، ص:۹۰، رضا اکیڈمی ممبئی)

اسی میں ہے:

سوال: گروی زمین ومکانات سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس قسم کے مسائل میں قول منقح ومحرر واصل ومحقق و مقرر یہ ہے کہ بربنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سود وحرام ہے… یہ انتفاع اگر چہ لفظاً مشروط نہ ہو عرفاً بے شک مشروط ومعہود ہے تو حکم مطلق حرمت وممانعت…

● ہاں! اگر مرتہن بے لحاظ انتفاع قرض دے۔

● اور صرف بغرض وثوقِ وصول جو تشریع رہن سے مقصود شارع ہے رہن لے۔

● اور عاقدین وقت عقد صراحۃً شرط کرلیں کہ مرتہن کسی طرح نفع اٹھانے کا مُجاز نہ ہوگا، "وذلك لأن ما صار معروفًا لا یصیر مرفوعًا بالسکوت فلا یکفي عدم الشرط بل شرط العدم کي یفوق الصریح الدلالة".

● پھر راہن اپنی خوشی سے مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے دے۔

● اور مرتہن صرف بربنائے اجازت نہ کہ اپنا استحقاق جان کر نفع اٹھائے۔

● اور حال یہ ہو کہ اگر راہن اس وقت روک دے تو فوراً رک جائے۔

یعنی بعد اس شرط عدم انتفاع کے مالک نے برضائے خود مکان رہن میں رہنے کا اذن دیا یہ آکر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے منع کیا تو معاً باز رہے اور اصلاً چوں چرا نہ کرے تو ایسا انتفاع جب تک رضائے راہن رہے حلال ہوگا مگر حاشا ہندوستان میں اس صورت کی صورت کہاں۔ اللہ عزّوجلّ مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔ (فتاویٰ رضویہ ج:۱۰، ص:۲۸۲، ۲۸۳، ملتقطاً، کتاب الرہن، رضا اکیڈمی ممبئی)

تمام مقالہ نگار علمائے کرام کا موقف یہی ہے البتہ مولانا محمد عابد رضا مصباحی پونہ اور مولانا محمد رضوان قادری بغیر کسی تفصیل کے دوسری صورت کے جواز کے قائل ہیں۔

مولانا محمد عابد رضا لکھتے ہیں: "عقد رہن تام ہوجانے کے بعد راہن مرتہن کو اگر انتفاع کی اجازت دے دے تو یہ جائز ہے اس میں

کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔(ص:۲۴)

مولانا محمد رضوان قادری لکھتے ہیں:

”اگر رہن کے وقت انتفاع کی شرط نہ ہو پھر بعد میں راہن اجازت دے دے تو اب مرتہن کے لیے شے مرہون سے انتفاع جائز ہوگا۔(ص۸۸)

مولانا نظام الدین قادری کے نزدیک انتفاع کی شرط کے ساتھ شے مرہون سے نفع اٹھانا شبہہ رِبا ہے جو مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اشباہ میں مرتہن کے لیے مشروط انتفاع کو مکروہ لکھا ہے، اور شارح علامہ حصکفی نے بھی اس کی تائید کی ہے اور مرتہن کے لیے مشروط نفع ہونے کی صورت میں فتاویٰ خیریہ میں لزومِ ضمان کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شائبۂ ربا ہے، لہٰذا تطبیق یوں ہی کی جائے گی کہ اگر انتفاعِ مرتہن مشروط ہو تو ناجائز، ورنہ جائز ہے...

ردالمحتار میں ہے:

و ما في الأشباه من الكراهة على المشروط، و يؤ يّده قول الشارح الآتي آخر الرهن ”إن التعليل بأنه ربا يفيد أن الكراهة تحريمية، فتأمل“. و إذا كان مشروطًا ضَمِنَ، كما أفتى به في الخيريّة في من رهن شجر ز يتون على أن يأكل المرتهن ثمرته.

(رد المحتار ج:۷، ص:٤١، كتاب الرهن، دار الفكر)

واضح رہے کہ یہاں ربا سے مراد شبہہ رِبا ہے، اور علامہ حصکفی علیه الرحمة نے اگرچہ تعلیل بالربا کی طرف نظر کرتے ہوئے کراہت سے کراہت تحریمیہ مراد ہونے کا افادہ فرمایا (کما مرّ)، لیکن علامہ حموی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کراہت سے مراد مکروہ تنزیہی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

قَوْلُه: يُكْرَه لِلْمُرْتَهِنِ الِانْتِفَاعُ بِالرَّهنِ بِإِذْنِ الرَّاهِنِ كَذَا فِي أَكْثَرِ نُسَخِ هذَا الْكِتَابِ، وَ وَقَعَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ: فَلَا إِذْنَ لِلرَّاهِنِ، وَفِي بَعْضِها: إِلَّا بِإِذْنِ الرَّاهِنِ، وَ الْكُلُّ صَحِيحٌ لِمَا فِي الْقُنْيَة عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَه الله : الْمُرْتَهِنُ سَكَنَ الدَّارَ الْمَرْهُونَةَ بِإِذْنِ الرَّاهِنِ يُكْرَه، وَأَطْلَقَ فِي الصَّرْفِ أَنَّه لَا يُكْرَه ، وَالِاحْتِيَاطُ فِي الِاجْتِنَابِ عَنْه ؛ قُلْتُ لِمَا فِيه مِنْ شُبْهَة الرِّ بَا. انْتَهى. [غمز عیون البصائر ج 3، ص 244]

ظاہر ہے کہ جس نسخہ میں ”إلّا بإذن الراهن“ ہے، وہاں استثنا میں مکروہ تحریمی کی نفی مراد ہوگی اور جس نسخہ میں ”بإذن الراهن“ بغیر استثنا مذکور ہے وہاں مکروہِ تنزیہی مراد لیا جائے تبھی دونوں نسخوں کو صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔

گزشتہ تفصیل سے واضح ہوا کہ ”مرتہن کے لیے نفع اٹھانے کی شرط سے“ یہ معاملہ صاحبِ دُرِّ مختار کے افادہ کے مطابق مکروہِ تحریمی، اور علامہ حموی علیه الرحمه کے بیان کے مطابق مکروہِ تنزیہی قرار پاتا ہے۔(ص:۱۱۵،۱۱۶)

پہلا سوال اور اس کا جواب:

سوال: (۱) مجبوری، یا ضرورت کے پیش نظر کیا اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار علمائے کرام کی تین رائیں ہیں:

پہلی رائے: مجبوری یا ضرورت کے تحت شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینا سود ہے اور یہ ناجائز و حرام ہے، جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ رائے چار علمائے کرام کی ہے، ان کی رائے ان کے اسما کے ساتھ درج ذیل ہے:

مولانا محمد رفیق عالم رضوی لکھتے ہیں:

جب اس کے پاس رہن رکھنے کے لیے زیور و زمین، پلاٹ، یا کوئی قیمتی سامان موجود ہے تو وہ اسے فروخت کر کے اپنی مجبوری کا ازالہ کر سکتا ہے اور اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے، اس کے حق میں شرعی حاجت و ضرورت کا تحقق نہیں کہ اس کے حق میں فعل ممنوع مرخص، یا مباح ہو جائے۔(ص:۶)

مولانا قاضی شہید عالم رضوی لکھتے ہیں:

دونوں سوالوں کا جواب یہی ہے کہ اس شرط کے ساتھ رہن رکھ کر قرض لینا کہ مرتہن اس مکان میں رہائش کرے گا، یا اس زمین میں کاشت کر کے فصل حاصل کرے گا یہ ربا و حرام ہے۔(ص:۵)

مولانا محمد صباح الدین ربانی لکھتے ہیں:

کسی ضرورت، یا مجبوری کے پیش نظر، یا کاروبار شروع کرنے، یا اس کو استحکام بخشنے کے لیے شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینا ناجائز اور سود ہے، وہ شرط مصرح ہو یا معروف و مشہور اس کے جواز کی کوئی صورت نکلتی نظر نہیں آتی۔(ص:۵۵)

مولانا رضاء المصطفیٰ برکاتی لکھتے ہیں:

مجبوری، حاجت اور معاشی حالت سُدھارنے کے لیے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینے کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔(ص:٦٧)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے: حاجت و ضرورت متحقق نہیں ہے اور شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینا سود ہے جو ناجائز و حرام ہے، اس لیے تخفیف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ اپنا سامان فروخت کر کے اپنی مجبوری کا ازالہ کر سکتا ہے۔ مولانا قاضی شہید عالم رضوی نے مرتہن کے شے مرہون سے نفع اٹھانے کے سود ہونے پر فتاویٰ رضویہ کے دس اقتباسات نقل کیے ہیں۔ (دیکھیں ص:٥٠ تا ٥٣)

امام احمد رضا خاں علیه الرحمه و الرضوان ایک سودی قرض کے تعلق سے کیے گئے سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو، نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا، ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا، جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی، سو روپے پاس ہیں، ہزار روپے لگانے کو جی چاہا، نو سو (٩٠٠) سودی نکلوائے، یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا، یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل و عیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگا دیے، یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں، نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا، و علی هذا القیاس صدہا صورتیں ایسی ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہو سکتا، اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں، ولہٰذا قوت اہل و عیال کے لیے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی نوکری ملتی ہے جس کے ذریعے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کے بسر کے لائق مل سکے، ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت۔ (فتاویٰ رضویہ ج٧، ص ٨٢، رضا اکیڈمی)

دوسری رائے: شرعی مجبوری اور ضرورت کے وقت مثلاً انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے ہو، یا حاجت شرعی پائی جائے تو بقدر حاجت و ضرورت اس طرح کا عقد کرنا جائز ہے، یہ رائے ٣٤/ مقالہ نگار علمائے کرام کی ہے۔ چند علمائے کرام کے مقالات میں یہ صراحت بھی ہے کہ مرتہن اگر مسلمان ہو تو اس کا شے مرہون سے نفع اٹھانا بہر حال ناجائز و حرام ہے کیوں کہ اس کے حق میں حاجت، یا ضرورت کا متحقق نہیں ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

بحرالرائق میں ہے:

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح.

(البحر الرائق ج٦، ص ٢١١، دار الكتب العلمية، بيروت)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ: "الضرورات تبيح المحظورات"؛ اسی لیے علما فرماتے ہیں: محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے۔ في الأشباه و النظائر و في القنية و البغية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح . اھ. قال في الغمز: و ذلك نحو أن يقترض عشرة دنانير مثلاً، و يجعل لربها شيئًا معلومًا في كل يوم ربحًا. اھ

أقول: محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو، نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا، ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم ص ٨٢، رضا اکیڈمی)

انیسواں فقہی سیمینار، موضوع: "بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں" کے فیصلے میں ہے:

بینک سے مسلمان قرض لیتے ہیں اور اس کے ساتھ اصل قرض کی واپسی کے علاوہ حسب شرط مقررہ زائد رقم بھی دینی پڑتی ہے ... ایسے قرض کی تمام صورتیں حرام نہیں بلکہ بہت سی مباح بھی ہیں، جن کی قدرے تفصیل یہ ہے:

(١) مسلمان انکم ٹیکس کے ضرر کثیر سے بچنے کے لیے قرض لے اور اس کی میعاد پر ادا کر دے تاکہ انٹرسٹ، انکم ٹیکس سے کم رہے۔

(٢) چھوٹ پر لیے جانے والے قرضے کی ادائگی میں اتنی دیر نہ کرے کہ انٹرسٹ بڑھ کر اصل سرمایۂ قرض، یا چھوٹ کی مقدار سے بڑھ جائے۔

(٣) سخت احتیاج کی وجہ سے بقدر حاجت قرض لے اور ظن غالب ہو کہ وہ قرض ضرور ادا کر دے گا۔ (ماہنامہ اشرفیہ، مارچ ٢٠١٢ء ص:٤٤)

"مجلس شرعی کے فیصلے" میں ہے:

"کسی شخص کے حق میں ضرورت شرعیہ متحقق ہے اور بے نفع دیے قرض ملنے کی صورت نہیں تو اس کے لیے بقدر ضرورت ایسا قرض لینا جائز ہے خواہ وہ قرض ابتداءً ہو یا قرض پر قرض ہو۔...

اگر کسی کو مکان یا دُکان کی حاجتِ شرعیہ ہے اور اسے یہ معلوم

ہے کہ اگر کرایہ پر مکان لے تو بیس پچیس سال کے کرایے میں بڑی خطیر رقم دینی پڑے گی، اور اگر بینک سے قرض لے کر مکان خریدے تو اس سے کم میں مالکِ مکان ہو جائے گا اور آیندہ کرایہ دینے کی بھی کوئی فکر نہ ہوگی۔ ایسے شخص کو اگر ظن غالب ہو کہ وہ قرض کی تمام قسطیں پابندی سے ادا کرلے گا تو اسے بھی اس طرح کا قرض لینے کی اجازت ہے۔" (مجلس شرعی کے فیصلے ص:۳۴۹)

تیسری رائے: سخت مجبوری اور ضرورت کے وقت، یوں ہی کاروبار شروع کرنے یا کاروبار کے فروغ و ترقی کے لیے اور اپنی معاشی حالت سُدھارنے کے لیے شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینا دفع حرج و مشقت اور عموم عرف اور تعامل کی وجہ سے جائز ہے، اور عموم عرف کی وجہ سے یہ عقد "کل قرض جر منفعة فهو ربا" کے عموم کے تحت داخل نہیں جیسے تعلیم قرآن پر اجرت، صاحبین رحمهما الله تعالیٰ کے قول کے مطابق مزارعت و مساقات عموم عرف اور تعامل کی وجہ سے جائز ہیں۔ یہ رائے دو حضرات کی ہے۔

(۱) مولانا خالد ایوب شیرانی راجستھان (۲) مفتی عبد الرحیم اکبری سوجا شریف۔

مولانا خالد ایوب نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ "المنی و الدرر" مشمولہ فتاویٰ رضویہ [ج:۷، ص:۲۷، تاص:۳۱، کتاب المداینات، رضا اکیڈمی] میں عموم عرف و دفع حرج کی بنیاد پر مذکور تخفیفات شرعیہ سے استدلال کیا ہے اور مفتی عبد الرحیم اکبری نے بھی انھیں جزئیات کو تحریر کرکے جواز کی راہ نکالی ہے۔

دوسرا سوال اور اس کا جواب:

کاروبار شروع کرنے، یا کاروبار کے فروغ و ترقی کے لیے اور اپنی معاشی حالت سدھارنے کے لیے شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں بھی علماے کرام کے خیالات تین طرح کے ہیں:

پہلا خیال: دفع حرج و مشقت اور عموم عرف و تعامل کی وجہ سے جائز ہے، یہ خیال درج ذیل علماے کرام کا ہے۔

(۱) مولانا خالد ایوب شیرانی راجستھان (۲) مفتی عبد الرحیم اکبری سوجا شریف۔ (۳) مولانا محمد صادق مصباحی مہراج گنج

مولانا خالد ایوب مصباحی اور مفتی عبد الرحیم اکبری سوجا شریف کے دلائل سوال نمبر ایک کے تحت گزر چکے ہیں۔

مولانا محمد صادق مصباحی لکھتے ہیں:

کاروبار شروع کرنے یا اس کے فروغ و ترقی کے لیے، یوں ہی اپنی معاشی حالت سدھارنے کے لیے شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ (مسلم سے) قرض لینے کا جواز ہونا چاہیے۔ اور یہ حاجت کی دوسری قسم حاجت عامہ (جو کسی نوع کے لوگوں کے ساتھ خاص نہیں) میں داخل ہے، کیوں کہ اکثر کاروباری لوگوں کو اس کی حاجت در پیش ہے۔ لہٰذا جس طرح فقہاے کرام نے بر بناے حاجت، اجارہ اور بیع استصناع وغیرہ کی اجازت دی ہے، وہ بنا یہاں بھی متحقق ہے۔ اور اس کے عدمِ جواز کا حکم صادر کرنے کی صورت میں تُجار کے لیے حرج شدید ہے، لہٰذا بر بناے حاجت و تعامل، اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں ہے:

و ثانيها: حاجية غير واصلة إلى حد الضرورة كالبيع والإجارة والمضاربة و المساقاة، فإنها لولاها لم يفت واحد من الخمس الضرورية، لكن يحتاج إليها الإنسان في المعيشة، فيكون من الحاجية دون الضرورية، إلّا قليلا من جزئيات بعض العقود، فإنها بفواتها يفوت واحد من الضرورية كاستئجار المرضعة؛ إذ لم يشرَع تَلَفَ نفسُ الولد، فوصل إلى ضرورة حفظ النفس، وكذا شراء مقدار القوت واللباس يُتقىٰ به من الحر و البرد و أمثالها، لكن لقلتها لا تخرج كليات العقود عن الحاجية.اهـ. (فواتح الرحموت، في تقسيمات، الأول: المقاصد، ج: ۲، ص: ۳۲۰، دار النفائس، الرياض)(ص: ۳۷)

دوسرا خیال: کاروبار شروع کرنے، یا کاروبار کے فروغ و ترقی کے لیے اور اپنی معاشی حالات سدھارنے کے لیے شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینا جائز نہیں ہے۔ بعض علماے کرام نے یہ افادہ بھی کیا ہے کہ اگر کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو تجارت بقدر ضرورت شروع کرنا مجبوری ہو سکتی ہے یہ خیال بیس [۲۰] علماے کرام کا ہے:

ان علماے کرام کی دلیل یہ ہے: فقہاے کرام نے حاجت شرعی اور ضرورت شرعی کا مفہوم یہ بیان کیا ہے: "بلوغه حدًّا إن لم يتناول المجموع هلك أو قارب" اور بہ شرط انتفاع رہن رکھ کر کاروبار شروع کرنے، کاروبار کو فروغ اور ترقی دینے، یا معاشی حالت

سُدھارنے کے لیے قرض نہ لینے سے نہ کوئی ہلاک ہوگا، نہ ہلاکت کے قریب ہوگا اور نہ ہی اسے حرج و مشقت کا سامنا ہوگا، اس لیے یہ مقاصد نہ تو شرعی ضرورت ہیں اور نہ ہی حاجت بمنزلۂ ضرورت بلکہ درجۂ منفعت میں ہیں۔ اور بہ شرط انتفاع رہن رکھ کر قرض لینا سود اور حرام ہے لہٰذا ان مقاصد کے لیے سودی لین، دین کی اجازت نہیں ہے۔

مولانا محمد رفیق عالم رضوی لکھتے ہیں:

ماضی قریب کے نامور فقیہ و محدث (امام احمد رضا قدس سرہ) ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ کی لعنت کے ساتھ دینی حالت سنورے گی یا اور بدتر ہوگی، اور قومی دنیوی حالت کا سنبھلنا بھی معلوم، اللہ عزّ وجل فرماتا ہے، **يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ**- اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکات کو، جسے اللہ برباد و تباہ کرے وہ کیوں کر بڑھ سکتا ہے اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے گی۔ (فتاویٰ رضویہ ج:۷، ص:۹۸)

تیسرا خیال: کاروبار کے فروغ اور ترقی کے لیے اور اپنی معاشی حالت سُدھارنے کے لیے شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ، مسلمان، یا مسلم کمپنی، یا مسلم مالیاتی ادارے سے قرض لینا ناجائز ہے۔ اور غیر مسلم یوں ہی غیر مسلم بینک، کمپنی، مالیاتی ادارے سے کاروبار کی ترقی کے لیے شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینا ان کے لیے جائز ہے جنھیں اس بات کا ظن غالب ہو کہ مرتہنِ غیر مسلم شے مرہون سے جس قدر نفع اٹھائے گا وہ اس سے کہیں زیادہ کما لے گا اور اپنا سامان بھی اس سے آسانی کے ساتھ حاصل کرلے گا اور ان کے علاوہ افراد کے لیے جائز نہیں، یہ خیال ۷/ مقالہ نگار علمائے کرام کا ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

حدیث شریف میں ہے:

"لا ربا بين المسلم والحربي."(نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، كتاب البيوع، باب الربا، ج:٤، ص:٨٣)

ردالمحتار میں ہے:

"قال في الشرنبلالية: و من شرائط الربا عصمة البدلين."(رد المحتار، ج:۷، ص:۳۹۹، كتاب البيوع، باب الربا. دار الكتب العلمية، بيروت)

در مختار میں ہے:

"(وَلَا [رِبَا] بَيْنَ حَرْبِيٍّ وَمُسْلِمٍ) مُسْتَأْمَنٍ وَلَوْ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ أَوْ قِمَارٍ (ثَمَّةَ) لِأَنَّ مَالَهُ ثَمَّةَ مُبَاحٌ فَيَحِلُّ بِرِضَاهُ مُطْلَقًا بِلَا غَدْرٍ." (الدر المختار ج: ٧، ص: ٤٢٢، ٤٢٣)

ردالمحتار میں ہے:

قَالَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ : لَا يَخْفَى أَنَّ هٰذَا التَّعْلِيلَ إنَّمَا يَقْتَضِي حِلَّ مُبَاشَرَةِ الْعَقْدِ إذَا كَانَتْ الزِّيَادَةُ يَنَالُهَا الْمُسْلِمُ ، وَالرِّبَا أَعَمُّ مِنْ ذَلِكَ إذْ يَشْمَلُ مَا إذَا كَانَ الدِّرْهَمَانِ أَيْ فِي بَيْعِ دِرْهَمٍ بِدِرْهَمَيْنِ مِنْ جِهَةِ الْمُسْلِمِ وَمِنْ جِهَةِ الْكَافِرِ. وَجَوَابُ الْمَسْأَلَةِ بِالْحِلِّ عَامٌّ فِي الْوَجْهَيْنِ وَكَذَا الْقِمَارُ قَدْ يُفْضِي إلَى أَنْ يَكُونَ مَالُ الْخَطَرِ لِلْكَافِرِ بِأَنْ يَكُونَ الْغَلَبُ لَه ، فَالظَّاهِرُ أَنَّ الْإِبَاحَةَ بِقَيْدِ نَيْلِ الْمُسْلِمِ الزِّيَادَةَ ،وَقَدْ أَلْزَمَ الْأَصْحَابُ فِي الدَّرْسِ أَنَّ مُرَادَهُمْ فِي حِلِّ الرِّبَا وَالْقِمَارِ مَا إذَا حَصَلَتْ الزِّيَادَةُ لِلْمُسْلِمِ نَظَرًا إلَى الْعِلَّةِ وَإِنْ كَانَ إطْلَاقُ الْجَوَابِ خِلَافَه وَاللهُ سُبْحَانَه وَتَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اھ(رد المحتار على الدر المختار، أواخر باب الربا قبل باب الحقوق، ج: ٥، ص: ١٨٦، دار الفكر ، بيروت)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں ہے:

و الربا أعم من ذلك إذ يشمل ما إذا كان الدرهمان من جهة المسلم أو من جهة الكافر، و جواب المسألة بالحل عام فى الوجهين. اھ

(حاشية الطحطاوى على الدر المختار ج: ٣، ص: ١١٢)

المحیط البرہانی میں ہے:

إذا دخل المسلم دار الحرب بأمان أو بغير أمان وعقد مع حربي عقد الربا بأن اشترى درهماً بدرهمين أو اشترى درهماً بدينار إلى أجل، أو باع منهم خمراً أو خنزيراً أو ميتة أو دماً بمال؛ قال أبو حنيفة و محمد رحمهما الله: ذلك كله جائز، وقال أبو يوسف: لا يجوز بين المسلم وأهل الحرب في دار الحرب إلا ما يجوز بين المسلمين.

والصحيح قولهما؛ لأن مال الحربي على الإباحة الأصلية، إلا أن الذي دخل دار الحرب بأمان التزم أن لا

يعترض لهم، ولما في أيديهم إلا بتراضيهم، فحرم عليه الأخذ بدون رضاهم تحرزاً للعذر والخيانة، وإذا أعطى برضاهم فقد انعدم العذر والخيانة فيأخذه المسلم بحكم الإباحة الأصلية وتأثير المعاقدة في تحصيل الرضا بالأخذ لا في التملك. (المحیط البرھانی، الفصل العشرون فی الصرف فی دار الحرب، ج: ۷، ص: ۲۳۱، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

انیسواں فقہی سیمینار، موضوع: بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں" کے فیصلے میں بینک سے مسلمان کے قرض لینے کی مباح صورتوں کے بیان میں ہے:

"ایسے کام کے لیے قرض لیا جائے جس میں انٹرسٹ سے زیادہ نفع کا ظنّ غالب ہو۔" (ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ مارچ ۲۰۱۲ء ص: ۴۴)

مولانا ممتاز عالم مصباحی لکھتے ہیں:

(الف) مسلمان سے اس طرح کا قرض لینا ربا و سود کی وجہ سے ناجائز و حرام ہوگا، کیوں کہ دونوں طرف مال معصوم ہے اور اضافہ و زیادتی خالی عن العوض ہے جو ربا ہے۔

(ب) حکومت ہند کے زیر انتظام بینک و کمپنی، یا کفار حربی سے شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ لیا جانے والا قرض بادی النظر میں ربا ہونے کی وجہ سے عقد فاسد ہے اور ناجائز و حرام بھی، کیوں کہ یہاں زیادتی بظاہر غیر مسلم حربی کو مل رہی ہے جو فقہا کی صراحت کے مطابق ناجائز و حرام ہے، لیکن اگر اس زاویہ سے دیکھا جائے کہ مسئلۂ دائرہ میں جو زیادتی مسلمان کی طرف سے حربی کافر کو مل رہی ہے اس سے کہیں زیادہ قرض دار مسلمان کو فائدہ مل رہا ہے پھر تو اس لحاظ سے مسلمان ہی کو زیادتی مل رہی ہے، یہاں مسلمان کی طرف سے کافر حربی کو زیادہ دینا نہیں بلکہ اس سے زیادتی اور نفع لینا ہے لہٰذا اس طرح کا قرض لینا جائز ہونا چاہیے کہ غیر مسلم حربیوں کے ساتھ عقود فاسدہ بشرطِ نفعِ مسلم مباح ہیں۔ (ص: ۶۱)

مولانا محمد ساجد علی مصباحی لکھتے ہیں:

اگر مسلمان اور غیر مسلم حربی کے درمیان باہمی رضامندی سے کوئی عقد ہو اور اس میں مسلمان کا فائدہ ہو، تو امام اعظم ابو حنیفۃ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک وہ عقد جائز ہے، اگرچہ مسلمانوں کے درمیان باہم ایسا عقد ناجائز ہو۔

اب اس روشنی میں جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسئلۂ دائرہ میں عقد قرض و رہن مسلم کے حق میں مفید ہے؛ اس لیے کہ اگر اسے یہ حکم دیا جائے کہ وہ اپنی زمین، دکان یا مکان فروخت کر کے روپے حاصل کرے، تو بہت ممکن ہے کہ وسعت آنے کے بعد اس طرح کی زمین، دکان یا مکان ہی نہ ملے، یا ملے تو بہت مہنگا ملے جس کی اسے استطاعت ہی نہ ہو۔ اور بلاشبہہ یہ اس کے حق میں بڑا ضرر ہے۔

اس کے برخلاف اگر اس نے قرض لے لیا تو اسے اتنا ہی ادا کرنا پڑے گا جتنا لیا ہے، اور دوسری طرف اس کی زمین، دکان یا مکان کی قیمت بڑھتی رہے گی جو اس کے حق میں مفید ہے، نیز زمین میں کاشت کرنے، دکان و مکان میں تجارت و رہائش اختیار کرنے سے یہ چیزیں برباد ہونے سے محفوظ رہیں گی، اس میں بھی مسلم کا فائدہ ہے۔ اور قرض کے روپے سے کاروبار کر کے جو نفع کمائے گا اس میں بھی اسی کا فائدہ ہے۔

اب رہ گیا یہ شبہہ کہ مسلمان کے مال رہن سے غیر مسلم حربی فائدہ اٹھاتا ہے، تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نفس عقد (عقد قرض و رہن) سے فریقین میں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا ہے، بعد میں ہر ایک اپنی اپنی جد و جہد اور عقل و دانش سے فائدہ اٹھاتا ہے، ایک فریق قرض کی رقم کو کاروبار میں لگا کر فائدہ اٹھاتا ہے، تو دوسرا فریق شے مرہون سے نفع حاصل کرتا ہے، اگر مسلمان قرض نہ لیتا تو اپنے مال سے وہ فائدہ نہیں اٹھا پاتا جس کی اسے ضرورت ہے، جب کہ قرض لے کر وہ اپنا مطلوبہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور کچھ مدت میں مال مرہون کو واپس بھی لے سکتا ہے تو بہر صورت مسلمان کا فائدہ نمایاں ہے؛ اس لیے مسئلۂ دائرہ میں اس طرح کا رہن رکھنے کی اجازت ہو سکتی ہے۔ (ص: ۹۹، ۱۰۰)

مولانا ابرار احمد اعظمی، مولانا ازہار احمد امجدی اور مولانا محمد صادق مصباحی نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ تحقق ربا کے لیے عصمت بدلین شرط ہے، یہی امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول بھی ہے اور متون میں اسی کی صراحت ہے، لہٰذا مسلم اور غیر مسلم کے مابین اس طرح کا عقد مطلقاً جائز ہوگا۔

مولانا ابرار احمد لکھتے ہیں:

جمہور فقہاے احناف کے مذہب پر حربی کفار کے زیر انتظام چلنے والے بینکوں، اہل حرب کی کمپنیوں اور مسلمان کے مابین مرہون سے انتفاع کی شرط پر پائے جانے والے لین دین کو سودی قرض سے مستثنیٰ قرار دیا جانا چاہیے۔ خصوصاً جب کہ اس لین دین سے مسلمانوں کے معاشی حاجات وابستا ہوں۔ پھر یہاں یہ پہلو بھی نظر انداز نہ کیا جانا چاہیے کہ جہاں شے مرہون سے حربی کفار کو نفع پہنچتا ہے۔ وہیں

ان سے ملنے والے قرض کی رقم سے مسلمانوں کو نفع کثیر بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے نفع قلیل کے عوض اگر مسلمانوں کو نفع کثیر حاصل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔(ص:۹۲،۹۳)

مولانا ازہار احمد امجدی لکھتے ہیں:

مسلم اور کافر حربی کے درمیان چوں کہ ربا نہیں، اس لیے اگر مسلم کا فائدہ ہو تو رہن سے فائدہ اٹھانے کی شرط کے ساتھ بھی مرتہن سے قرض لے سکتا ہے۔(ص:۱۹)

مولانا محمد صادق مصباحی لکھتے ہیں:

شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینا دینا اگر غیر مسلم کے ساتھ ہو تو یہ امر "كل قرض جر منفعة" کے تحت داخل نہیں۔(ص:۳۷)

* مجبوری اور ضرورت کے وقت، یا کاروبار کے فروغ اور ترقی کے لیے بعض علماے کرام نے جواز کے حیلے بیان کیے ہیں ان کے اسما یہ ہیں:

(۱) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی (۲) مولانا محمد صادق مصباحی (۳) مولانا محمد صباح الدین ربانی (۴) مولانا محمد رضاء المصطفی برکاتی (۵) مولانا ازہار احمد امجدی (۶) راقم الحروف محمود علی مشاہدی۔

ان علماے کرام نے درج ذیل حیلے تحریر کیے ہیں:

(۱) قرض لینے دینے کا جو ارادہ رکھتے ہیں وہ آپس میں بیع قطعی کر لیں پھر عقد کے بعد بیچنے والا خریدنے والے سے شرط کے بغیر یہ وعدہ لے کہ تم مبیع سے فائدہ اٹھاتے رہو جب میں تمھیں اس کی قیمت واپس دوں گا تو تم مجھے مبیع واپس کر دینا ایسی صورت میں اس مبیع سے فائدہ اٹھانا جائز و درست ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

و في جامع الفصولين أيضًا لو ذكر البيع بلا شرط ثم ذكر الشرط على وجه القصد جاز البيع و لزم الوفاء بالوعد.[ج:۵، ص: ۸٤، كتاب البيوع، مطلب في الشرط الفاسد]

(۲) جتنے روپے قرض لینا چاہتا ہے بغیر شرط قرض لے لے اور قرض دینے والے کے پاس کوئی چیز چاقو وغیرہ رکھ دے اور یہ کہہ دے کہ اس کی حفاظت کا میں اتنے ماہ وار دوں گا اور وہ رقم تم کرایۂ مکان و دوکان جس کو رہن میں رکھنا چاہتا ہے وصول کر لو۔

[فتاویٰ امجدیہ ج:۳، ص:۳۳۹]

(۳) قرض لے کر اپنا سامان اس طور پر رہن پر دے کہ مرتہن اس سے نفع حاصل کرتا رہے، اور اجرت کی رقم زرِ قرض سے مجرا ہوتی رہے، جب رقم پوری ادا ہو جائے، تو شخص مذکور اپنی چیز واپس لے لے۔

بہار شریعت میں ہے:

بعض لوگ قرض لے کر مکان یا کھیت رہن دیتے ہیں کہ مرتہن مکان میں رہے اور کھیت کو جوتے بوئے اور مکان یا کھیت کی کچھ اجرت مقرر کر دیتے ہیں مثلاً مکان کا کرایہ پانچ روپے ماہوار یا کھیت کا پٹہ دس روپے سال ہونا چاہیے اور طے یہ پاتا ہے کہ یہ رقم زرِ قرض سے مجرا ہوتی رہے گی، جب کل رقم ادا ہو جائے گی اس وقت مکان یا کھیت واپس ہو جائے گا، اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی اگرچہ کرایہ یا پٹہ واجبی اجرت سے کم طے پایا ہو اور یہ صورت اجارہ میں داخل ہے، یعنی اتنے زمانہ کے لیے مکان یا کھیت اجرت پر دیا اور زرِ اجرت پیشگی لے لیا۔(رہن کا بیان، حصہ ہفدہم، ص:۷۰۴)

یہ تھا اس موضوع سے متعلق مقالات کا ایک جائزہ، اب اس کی روشنی میں درج ذیل امور **تنقیح طلب** معلوم ہوتے ہیں۔

تنقیحی سوالات:

(۱) عقد رہن میں شے مرہون سے انتفاع کی شرط نہ ہو، بعد میں راہن اجازت دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینا سود اور ناجائز و حرام ہے، یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی؟

(۳) کیا عموم عرف کا تحقق ہو چکا ہے، اور کیا شے مرہون سے انتفاع کی شرط کے ساتھ اس طرح قرض لینا مطلقاً جائز ہے؟

(۴) مجبوری اور ضرورت کے پیش نظر اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۵) کاروبار شروع کرنے، یا کاروبار کے فروغ و ترقی کے لیے اور اپنی معاشی حالت سُدھارنے کے لیے غیر مسلم سے انتفاع کی شرط کے ساتھ قرض لینا مطلقاً جائز ہے، یا مطلقاً ناجائز، یا کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے؟

(۶) کیا مسلمانوں کا آپس میں اس طرح کا عقد کرنا دفع حرج و مشقت اور تعامل کی وجہ سے جائز ہے؟

(۷) عدمِ جواز کی صورت میں کیا جواز کے حیلے پر عمل کیا جاسکتا ہے؟☆☆☆

تاثرات علماے کرام

از: جنید احمد مصباحی

----﴿مولانا منظور احمد خاں عزیزی، شیخ الحدیث جامعہ عربیہ سلطان پور﴾----

الحمد للہ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد!

حضرات اکابرین ملت اسلامیہ و مندوبین کرام! مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ کے تحت یہ جو چوبیسواں فقہی سیمینار ہوا، الحمد للہ بہت اچھے طریقے سے انجام پذیر ہوا اور جو بحثیں اور تحقیقات اس میں پیش ہوئیں وہ قابلِ قدر ہیں، ہم اپنے اکابرین اور تمام مفتیانِ کرام کے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت اس کے لیے دیا۔

کل سراج الفقہا نے فرمایا تھا کہ آج آخری نشست کے آخر میں مدارس کے سلسلے میں گفتگو ہوگی، اس لیے میں اس سلسلے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ آج مدارس کے حالات بہت ہی ناگفتہ بہ ہیں، اور یہودی دنیا یہ چاہتی ہے کہ مدارس سے تدین ختم ہو جائے، وہ چاہتے ہیں کہ مدارس بھی دنیاداری ہی کی تعلیم دیں۔ اس لیے ہم سب کی ذمہ داری ہے، ہم جہاں بھی رہیں اپنے اپنے طور پر کام کریں، کیوں کہ اب ہم اچھی خاصی تنخواہ پا رہے ہیں، ضرورت یہ ہے کہ طلبہ کے حالات پر نظر رکھیں کہ ان کا میلان کس طرف ہے، اسی اعتبار سے ان کو پروان چڑھایا جائے۔

دعا ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ جس کی بنیاد میں مرشدی حضور حافظِ ملت کا خلوص شامل ہے وہ ان بزرگوں کی قیادت اور سایے میں پروان چڑھتا رہے۔ آمین۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین.

----﴿مفتی عبد المنان کلیمی، مرادآباد﴾----

السلام علیکم و رحمۃ اللہ. نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم. اما بعد!

محترم حضرات! ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بہت سے ادارے ہیں اور سب اپنے اپنے طور پر کام کر رہے ہیں، مگر ان اداروں میں جو امتیازی شان اور امتیازی کام ہے وہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کا ہے۔

اس دار العلوم کی اگر میں تعریف کروں تو یہ اپنی تعریف ہوگی، کیوں کہ میں اس دار العلوم کا خادم نہیں، بلکہ جاروب کش ہوں۔ جامعہ اشرفیہ نے درس و تدریس کے میدان میں ایسے ماہر مدرسین اور ذی استعداد اساتذہ پیدا کیے ہیں جو مسلکِ اہلِ سنت، مسلکِ اعلیٰ حضرت کی صحیح ترجمانی اور رہ نمائی کر رہے ہیں، یہ وہ حقیقت ہے جسے چراغ نہیں دکھایا جا سکتا۔

حضرات! جامعہ اشرفیہ نے درس و تدریس کے علاوہ دو ایسی مجلسیں قائم کیں جن کی مثال بڑی بڑی شخصیات نے نہیں دی اور نہ بڑی بڑی کتابوں نے دیا، ایک مجلسِ شرعی جس نے بہت سے مشکل اور اہم نو پیدا مسائل کے احکام سے امت کو روشناس کیا۔

آج دنیا ترقی پر ہے، اس لیے نت نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور ان مسائل کو قرآن و احادیث کی روشنی میں حل کرنا علما کی ذمہ داری تھی اور اس ذمہ داری کو اگر کسی نے اٹھایا ہے تو وہ الجامعۃ الاشرفیہ ہے۔

محترم حضرات! کسی بھی چھوٹے بڑے کام کے لیے کافی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے، میں خراجِ عقیدت پیش کرتا ہوں حضرت عزیز ملت کو کہ انھوں نے اس سہ روزہ سیمینار کا بیڑا اٹھایا اور اس کا بار برداشت کیا۔

دوسری مجلس، مجلسِ برکات۔ جس کے ذریعہ درس نظامی کی کتب کی اشاعت، ان پر حواشی، ان کی شروحات لکھوا کر ان کی اشاعت کی گئی، اگر اس کے لیے پوری جماعت اہلِ سنت مل کر مجلس برکات کا شکریہ ادا کرے تو ادا نہیں ہو سکتا۔

اور اب تو بہت کچھ سامنے آ رہا ہے کہ ہمارے علما و اسلاف نے جو حواشی و شروحات لکھیں، دھوکہ باز جماعتوں نے ان کے نام ہٹا کر اپنے نام سے چھاپ کر مارکیٹ میں پیش کر دیا اور سینہ ٹھونک کر کہتے ہیں کہ ہم نے درس نظامی کا بہت بڑا کام کیا ہے، مگر مجلسِ برکات نے ان کے منہ پر ایسا طمانچہ مارا ہے کہ

آج ان کے ہوش اڑ گئے۔ لہٰذا مجلسِ شرعی اور مجلسِ برکات جو جامعہ اشرفیہ کے زیرِ انتظام و اہتمام ہیں، اگر پوری جماعت اہلِ سنت کی طرف سے ان دونوں کے کام کا شکریہ ادا کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ شکریے کا حق ادا نہ ہوگا۔

محترم حضرات، تصنیف و تالیف کے میدان میں کوئی ایسا موضوع اور عنوان نہیں ہے جس کے اوپر فرزندانِ اشرفیہ نے قلم نہ اٹھایا ہو اور یہ فیضان ہے بانی اشرفیہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا۔

آج لوگ مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگاتے ہیں، مگر مسلک اعلیٰ حضرت تو اشرفیہ کی رگ و پے میں ہے کیوں کہ حضور حافظِ ملت کے استاذ ہیں صدر الشریعہ اور اس کے استاذ ہیں اعلیٰ حضرت، اس لیے ہم ایک لمحہ بھی فکرِ رضا سے دور اور الگ نہیں ہو سکتے۔

یقیناً جامعہ اشرفیہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان ہے، جامعہ اشرفیہ اہلِ سنت کی آبرو ہے، جامعہ اشرفیہ حضور حافظ ملت کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ یہ مشائخ کچھوچھہ، مشائخ مارہرہ اور مشائخ بریلی کا فیضان ہے، کہ حضور حافظِ ملت نے جو خواب دیکھے آج جامعہ اشرفیہ ان سے بھی آگے ترقی کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔

ایک پروگرام میں بمبئی جانا ہوا، جہاں علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کو ایوارڈ سے نوازا گیا، ان کے تعارف کے لیے مجھ سے کہا گیا، تو میں نے بس اتنا کہا کہ مولانا یٰسین اختر صاحب نے "امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات" لکھ کر جو کارنامہ انجام دیا ہے، پوری جماعت مل کر بھی اس کا شکر اور جواب نہیں پیش کر سکتی ہے، اس کتاب میں انھوں نے ان لوگوں کی دھجیاں اڑا دی ہیں جو کہتے تھے کہ یہ بریلوی بدعتیوں کی جماعت ہے، مگر ہماری جماعت کا المیہ ہے کہ جو زیادہ کام کرتا ہے وہی نشانہ بنتا ہے۔

محترم حضرات! مجلسِ شرعی کا یہ پروگرام بہت ہی کامیاب رہا، آپ حضرات نے مقالات لکھے اور بحث کی، اللہ اس کی جزائے خیر دے اور مجھے امید ہے کہ مجلسِ شرعی ان بزرگوں کے زیرِ سایہ ترقی کرتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت عزیز ملت اور آپ تمامی حضرات کو صحت و سلامتی عطا فرمائے۔

----﴿علامہ یٰسین اختر مصباحی، بانی و مہتمم دار القلم، دہلی﴾----

نحمده و نصلي على رسوله الكريم. اما بعد!

محترم علمائے کرام اور عزیز طلبہ! ابھی ابھی مفتی عبد المنان کلیمی صاحب نے اپنے اوپر ہونے والے حملوں کا ذکر کیا تو مجھے ایک شعر یاد آیا کہ:

طوفان کر رہا تھا مرے عزم کا طواف
دنیا سمجھ رہی تھی کہ کشتی بھنور میں ہے (فرازؔ مبارکپوری)

یہ اشرفیہ کی عظمت کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی حیثیت سے سارے مذہبی علمی حلقوں کا مرکزِ توجہ ہمارا جامعہ اشرفیہ ہے۔ اس کی عظمت و فضیلت کے اظہار کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس کا ماضی، حال سب کچھ کچھوچھہ مقدسہ، مارہرہ مطہرہ اور بریلی شریف کی برکتوں کا جامع ہے جامعہ اشرفیہ کو ان سب کا فیضان حاصل ہے۔ حضور اشرفی میاں، سید العلما، احسن العلما، صدر الشریعہ اور مفتیٔ اعظم ہند کی دعائیں حضور حافظ ملت اور اشرفیہ کے ساتھ کل بھی تھیں اور آج بھی ہیں۔

فقہی تحقیقات کے لیے مجلس شرعی کی جو تشکیل ہوئی ہے، ماضی قریب کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے محرک اشرفیہ کے فرزند جلیل رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ہیں اور ان کی تحریک کی سرپرستی کرنے والے حضور مفتیٔ اعظم ہند، حضور برہان ملت، حضور حافظِ ملت اور مجاہدِ ملت جیسے اکابر علمائے اہلِ سنت ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کی جلد اول میں ایک رسالہ ہے "اجلى الاعلام ان الفتوىٰ على قول الامام" بڑی تحقیق و تفصیل کے ساتھ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے اس میں آپ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگر اسباب ستہ میں سے کوئی ایک سبب پایا جائے تو مسئلہ کا ظاہر حکم بدل جاتا ہے، چاہے وہ بیان کردہ مسئلہ کسی بھی فقیہ کا ہو، کسی بھی مجتہد کا ہو، حتیٰ کہ امام اعظم کا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۹۵۹ء میں اسی ضابطے اور اسی اصول کے مطابق علامہ ارشد القادری کی تحریک پر زوجۂ مفقود الخبر کے بارے میں فقہ مالکی کی طرف عدول کیا گیا۔ مجلسِ شرعی کے علما نے چلتی ٹرین کے مسئلہ میں اسی ضابطے کے مطابق تبدیلی حکم کیا، یہ تبدیلی فتاویٰ رضویہ کے بیان کردہ ضابطہ کے عین مطابق ہے، اس لفظ کو سمجھنا چاہیے، اس سے اختلاف نہیں بلکہ اتفاق ہے۔ الحمد للہ، پوری ذمہ داری کے ساتھ بیدار مغزی کے ساتھ حکمت و تدبر کے ساتھ، بصیرت کے ساتھ مجلس شرعی کا کارواں آگے کی طرف رواں ہے، بہت سے شرعی مسائل کا حل یہ مجلس قوم کے سامنے پیش کرتی ہے اور بہت سے نوجوان علما کی تربیت کر کے مستقبل کا سرمایہ بھی قوم کے سامنے پیش کر دیا ہے، مجلسِ شرعی کی اہمیت و افادیت کا اعتراف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پڑوسی ملک پاکستان میں بھی کیا جاتا ہے۔ وہاں کے ایک بہت ہی مشہور اسکالر کا ایک بیان میں نے پڑھا، تقریباً پانچ سال پہلے

ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ نئے مسائل کی تحقیق کر کے دنیا اور قوم کے سامنے پیش کرتے رہنا چاہیے، جیسا کہ مجلسِ شرعی مبارک پور کی تحقیقات سامنے آرہی ہیں، اس طرح مجلس کے کام کا اعتراف ہو رہا ہے۔

اعتراف ہو یا نہ ہو، ہمیں تو اپنا کام جاری رکھنا چاہیے، ابھی مفتی عبد المنان صاحب نے مجلسِ شرعی اور مجلسِ برکات دونوں کا ذکر کیا، الحمد للہ دونوں کی طرف سے کام ہو رہا ہے، لیکن ان دونوں کے کام کے ساتھ ایک پیغام یہ بھی مل رہا ہے کہ اہلِ سنت کے درمیان باصلاحیت علما موجود ہیں، اس کی صلاحیت کا صحیح استعمال کرنے کے لیے اگر مناسب پلیٹ فارم موجود ہو تو بہت ہی اعلیٰ معیار پر ان کی صلاحیتوں کا اظہار ہو سکتا ہے، جیسا کہ مجلسِ شرعی اور مجلسِ برکات کے ذریعہ ہو رہا ہے، یعنی افراد موجود ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ کا بھی انتظام ہو جائے تو ہماری جماعت کے نوجوان علما بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔ اس کا مظہر اور نمونہ مجلسِ برکات اور مجلسِ شرعی ہیں۔ آپ سبھی حضرات تحسین و تبریک کے قابل ہیں۔

الحمد للہ! ہم اپنے اسلاف کی وراثتوں کے حامل بھی ہیں، محافظ بھی ہیں اور چھوڑی ہوئی دولت کے اندر اضافہ بھی کر رہے ہیں۔ حضور حافظِ ملت نے ۱۹۷۶ء میں جامعہ اشرفیہ کے کام کو جہاں تک پہنچا کر چھوڑا اس کام کو وہاں سے آگے پہنچا رہے ہیں تعلیمی اور تعمیری دونوں میدانوں میں، اور یہی ایک سعادت مند فرزند کی پہچان ہوتی ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے کاموں کی حفاظت بھی کرے اور حفاظت کے ساتھ ساتھ اضافہ بھی کرے تو الحمد للہ عزیز ملت نے اپنے علما کے ساتھ مل کر حافظِ ملت کی وراثت کی حفاظت بھی کی اور اس میں اضافہ بھی کیا ہے، باتیں تو بہت ساری ہیں، دیگر لوگوں کو بھی اپنے تاثرات پیش کرنے ہیں، اس لیے ایک دعا کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں

علم کا اس آستانے پر سدا پہرا رہے   صورتِ خورشید تاباں میرا اشرفیہ رہے

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين.

----﴿حضور عزیز ملت دام ظلہ العالی، سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ﴾----

نحمده و نصلى على رسوله الكريم، اما بعد!

تمام نشستوں کے پروگرام اب ختم ہو چکے ہیں، اب آپ حضرات تشریف لے جائیں گے، آپ حضرات کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہماری ایک آواز پر لبیک کہا اور ہمارے حوصلوں کو بڑھایا۔

بہت سی باتیں ہمارے مفتی عبد المنان کلیمی صاحب نے آپ کے سامنے رکھیں، یہ ان کے جذبات اور ان کی محبت تھی، ورنہ ہم کسی کو کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتے ہیں، انھوں نے اپنی بات کہہ دی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ مجلس اسی لیے منعقد کی گئی تھی۔ انھوں نے تو اپنے تاثرات پیش کر دیے اور حقیقت سے آپ لوگوں کو آگاہ کیا۔

بہر حال! خوشی کی بات یہ ہے کہ ساری نشستیں بہت ہی اطمینان و سکون کے ساتھ اختتام پذیر ہوئیں اور ایک مسئلہ جو رہ گیا اگر آپ حضرات کوشش کریں گے تو وہ ان شاء اللہ آئندہ سیمینار میں حل ہو جائے گا، میں یہ گذارش کروں گا کہ آپ لوگ کچھ محنت بڑھائیں تاکہ ہماری ضرورت جلد از جلد پوری ہوتی رہے، جو سوالات آپ کے پاس جائیں تحریری طور پر یا اس مجلس میں حاضر ہو کر ان کے تسلی بخش جوابات پیش کریں تاکہ جو ضرورتیں ہیں وہ جلد سے جلد پوری ہوتی رہیں۔

میں پھر آپ حضرات کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور حاضر ہوئے اور یہ صعوبتیں صرف اس لیے برداشت کیں تاکہ دینی، ملی اور قومی ضرورتوں کو پورا کر سکیں، یہی جذبہ اگر آپ کے دلوں میں باقی رہا تو ان شاء اللہ تعالیٰ کام بہت آسان ہو جائے گا اور بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھے گا اور قوم کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں گی۔

الجامعۃ الاشرفیہ سے جو ہو سکا، اتنی آپ کی خدمت کی اگر کوئی تکلیف پہنچی ہو تو ہم اس کے لیے معذرت چاہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے صلے میں بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔

بس انھیں الفاظ کے ساتھ ہماری دعا ہے کہ آپ حضرات بخیر و عافیت اپنی اپنی منزلوں تک پہنچیں۔

یہ آپ لوگوں کی آمد اور ہمارا حوصلہ بڑھانے کی دین ہے کہ یہ مجلس اس مقام تک پہنچ چکی ہے، اگر آپ ساتھ نہ دیتے تو ہم یہاں نہ پہنچ پاتے، بہر حال یہ آپ حضرات کا خلوص اور دینی و ملی درد ہے کہ آپ تشریف لاتے ہیں، ہم اس کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی جد و جہد اور دینی خدمات کو قبول فرمائے، جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ رکھے، علم و عمل میں اضافہ فرمائے۔ آمین، ثم آمین وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين.***

حضرت مولانا مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

مبارک حسین مصباحی

یہ انتہائی الم ناک خبر تو آپ سن چکے ہوں گے کہ ہمارے ہم سبق عزیز دوست حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی ۲۷/ صفر المظفر ۱۴۳۹ھ/۱۷/ نومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ بشب ایک بجے پونے میں وصال فرما گئے، [ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور یقیناً ہمیں اسی کی جانب پلٹ کر بھی جانا ہے] افسوس، لاکھوں بار افسوس! ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہمارے یہ جگری دوست اتنی جلدی دنیا سے تشریف لے جائیں گے، اپنے حالات اور اپنے جامعہ قادریہ پونے کے احوال اور اس کی برق رفتار ترقیوں سے باخبر رکھنے والے مفتی صاحب ہمیں ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے، سچی بات یہ ہے کہ خدا جانے کیوں آج اپنے یارِ غار کی سرگذشت حیات لکھنے کے لیے قلم بھی افسردہ ہے اور بات بنتی نظر نہیں آ رہی ہے، ابھی کتنے دن کی بات ہے ۱۷/ تا ۱۹/ صفر ۱۴۳۹ھ/۷/ تا ۹/ نومبر ۲۰۱۷ء میں مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے چوبیسویں فقہی سیمینار میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے، اس دوران متعدّد بار ملاقاتیں ہوئیں، اس بار ان سے شرفِ نیاز تو حاصل ہوا مگر وہ حسبِ عادت ہماری قیام گاہ پر جلوہ گر نہیں ہوئے، ہم نے عرض بھی کیا مگر...، اس بار ہم نے ان کے وجود میں ایک خاص بات یہ محسوس کی تھی کہ وہ لبوں پر مسکراہٹ کے باوجود اندر سے پورے طور پر خوش نہیں تھے، لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے غیر شعوری طور پر انھیں اس جہانِ فانی سے رخصتی کا احساس ہو گیا تھا۔

اس بار حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ اپنے برادرِ گرامی عالی جناب ماسٹر فیاض احمد عزیزی کی قیام گاہ پر برکاتی کالونی میں تشریف لے گئے، بھابھی جان کے کہنے کے باوجود آپ نے کھانا نہیں کھایا بلکہ صرف ناشتے پر اکتفا فرمایا۔ آپ بار بار یہی فرماتے رہے کہ بھابھی جان! ہم حضور حافظِ ملت کے عرس پر آئیں گے تو آپ کے یہاں کھانا ضرور کھائیں گے۔ اس بار آپ جب مبارک پور تشریف لائے تو اعزہ کے گھروں پر تشریف لے گئے، خاص طور پر ان دو ایک گھروں میں بھی تشریف لے گئے جہاں کسی فرد کا وصال پر ملال ہو گیا تھا۔ رخصت ہونے سے پہلے جب سامان کی تیاری فرمانے لگے تو اپنے فرزند ارجمند عزیز القدر مولوی عرباز احمد سلمہٗ سے فرمانے لگے: بیٹا! اٹیچی تیار کرو، بھابھی جان نے جب دیکھا تو آپ فرمانے لگے کہ یہ بچے اسی طرح کام کرنا سیکھیں گے۔ خیر جب آپ سیمینار کے آخری مرحلے میں رخصت ہونے لگے تو آپ نے چند اکابر سے مصافحہ کیا، ہم نے بھی اٹھ کر مصافحہ کرنے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی، مگر آپ نے دونوں ہاتھوں کے اپنے مخصوص اشارے سے ہمیں روک دیا اور ہاتھ کے اشارے سے خیریت طرفین دیتے اور لیتے ہوئے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ جب آپ مبارک پور سے تشریف لے جانے لگے تو اپنے بیٹے سے فرمایا: ”بیٹا! فون سے رابطہ کر کے خیریت بتا دینا، بیٹے نے عرض کیا کہ ابو جان! ہفتے کے دن فون کروں گا، تو آپ نے فرمایا! نہیں بیٹا! دیکھنا سنیچر کے دن نفسی نفسی کا عالم ہو گا، بیٹے نے اپنی سوچ کے اعتبار سے خیال کیا کہ شاید ابو جان امتحان کے تعلق سے فرما رہے ہیں، مگر یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا تھا کہ ہفتے کے دن ہی نمازِ ظہر کے بعد آپ کی تدفین ہوئی اور واقعی نفسی نفسی کا عالم تھا۔

حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی کے آخری ایام: ۱۷/ نومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعرات نماز عشا کے بعد حضرت مفتی صاحب اپنے گھر سے باہر نکلے، طبیعت قدرے مضمحل تھی، اس کے بعد آپ جامعہ قادریہ، کونڈوا پونہ کے آفس میں تشریف لے گئے، وہاں مولانا عبد الرحیم میمن صاحب سے گفتگو ہوئی، اپنے ڈیسک کے سامنے بیٹھ کر کچھ لکھنے لگے، چند منٹ میں آپ کے بھتیجے مولانا اشفاق احمد مصباحی بھی تشریف لے آئے، اتنے میں آپ نے گھبراہٹ کا احساس کیا اور قریب ہی باتھ روم میں جا کر خوب الٹیاں کیں، وہاں سے نکلے بہت تیز کانپ رہے تھے، اسی عالم میں آپ نے ڈاکٹر اختر حسین فاروقی پرفیسر یونانی میڈیکل کالج پونہ سے موبائل پر اپنی پریشانی بیان فرمائی، گفتگو کے دوران کی کپکپاہٹ بھی ریکارڈ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مفتی صاحب! ہم دس منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔ خیر ڈاکٹر صاحب بھی آ گئے، دیکھتے ہی انھوں نے کیفیت کو سمجھ لیا اور فرمایا، انھیں قریب ہی ثنا ہاسپٹل، کوثر باغ میں ایڈمٹ کرا دیا جائے، چند قدم کے فاصلے پر مفتی صاحب کا فلیٹ ہے، آپ کے پہلو میں آپ کے بھتیجے بیٹھے تھے، آپ نے پہلے تو رکشہ ڈرائیور سے فرمایا کہ آٹو روکو، اور پھر زور سے اپنے بھتیجے مولانا اشفاق احمد مصباحی سے فرمایا کہ جلدی جاؤ میری بیٹی گڑیا کو بلا کر لاؤ، وہ اترے، اب بالائی منزل سے آنے میں کچھ دیر ہوتی نظر آئی تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ چلو ہاسپٹل چلو، بچی وہیں آ جائے

گی، آپ کو ثنا ہاسپٹل، کونڈوا، پونہ میں داخل کیا، ڈاکٹروں نے اپنے اعتبار سے علاج شروع کیا، اسی دوران مفتی ایاز احمد مصباحی نے اپنا سر بھتیجے کے سینے پر رکھ دیا اور چند لمحوں کے اندر یہ مردِ مجاہد اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملا، وہاں حضرت مفتی صاحب کی اہلیہ محترمہ اور بچی گڑیا "کنیز عائشہ" پہنچ چکی تھیں۔ ڈاکٹروں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ اب حضرت مفتی صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں، مگر ان حالات میں کبھی کبھی روح رہ جانے کے واقعات بھی ملتے ہیں، اس لیے آپ انھیں انعام دار ہاسپٹل، فاطمہ نگر، پونے میں لے جائیے، خیر ایمبولینس سے آپ کو اسی بڑے ہاسپٹل لے جایا گیا۔ وہاں بھی ڈاکٹروں نے دیکھ کر فرما دیا کہ اب مفتی صاحب اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے، سب نے غم واندوہ میں ڈوب کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ آپ کے وصالِ پر ملال کی خبر اب تک آپ کے اہلِ خانہ کو نہیں دی تھی، آپ کی اہلیہ محترمہ اور نورِ نظر بیٹی گڑیا ابھی باہر کھڑی انتظار کر رہی تھیں۔

اب اس وقت ہاسپٹل میں حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ کے پاس دو حضرات تھے، مولانا اشفاق احمد مصباحی، ڈاکٹر اختر حسین فاروقی، مولانا اشفاق احمد مصباحی نے اپنے گھر کے چند بڑے حضرات کے بعد مفکرِ اسلام مولانا محمد نوشاد عالم قادری مصباحی کو ساؤتھ افریقہ موبائل سے باخبر کیا، اپنے عزیز ترین دوست کے وصالِ پر ملال کی خبر سن کر ان کی حالت غیر ہونے لگی، انھوں نے سب سے پہلے شیخِ طریقت عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی، سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو قریب دو بجے شب یہ اندوہناک خبر سنائی، یہ افسوس ناک خبر سن کر آپ پر رنج وغم کا گہرا اثر پڑا، اس کے بعد حضرت مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی نے ہمارے موبائل ہر رابطہ فرمایا، مگر افسوس ہمارا موبائل سائیلنٹ تھا، ان کا بار بار رابطہ بھی ہمیں ہمارے عزیز ترین محبِ گرامی کے وصال کی خبر نہ دے سکا، اس کے بعد حضرت مولانا محمود احمد مصباحی مبارک پوری سے رابطہ کیا، انھوں نے موبائل ریسیو فرمایا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مفتی صاحب کے برادرِ کبیر عالی جناب محب گرامی وقار فیاض احمد عزیزی ڈائننگ ہال کے انچارج ہیں، انھیں بھی مختلف ذرائع سے خبر مل چکی تھی۔ وہ مسلسل پریشان تھے، ادھر ادھر موبائل کے ذریعہ خبریں کر رہے تھے، ہر پل بے چین اور مضطرب تھے، بھابھی جان فرماتی رہیں، ذرا لیٹ جائیے، آپ صرف اتنا فرما دیتے کہ اب میں کیا لیٹوں میرا بھائی ہمیشہ کے لیے لیٹ گیا۔ خیر فجر کی نماز کے بعد ہمیں بھی خبر ہوئی۔ برادرِ گرامی ماسٹر فیاض احمد عزیزی کی قیام گاہ پر پہنچے اور بھی متعدّد اساتذہ تھے، جامعہ اشرفیہ میں ان کے وصال کا اعلان بھی کرا دیا گیا تھا۔ صبح ۷ر بج کر ۳۰ر منٹ پر مفتی صاحب کے دونوں بھائی ماسٹر فیاض احمد عزیزی، ماسٹر انوار احمد، اپنے اہل و عیال کے ساتھ ماسٹر محبوب عالم، شکیل احمد ابن مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ اور جناب خیر الوریٰ صاحب اپنے وطن مارواڑی کل، حاجی نگر کے لیے نکل پڑے، اس قافلے میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی کے فرزندِ ارجمند مولوی عرباز احمد سلمہٗ بھی تھے، جو اس وقت مدرسہ سراج العلوم نوادہ مبارک پور میں درجہ ثانیہ میں زیرِ تعلیم ہیں، وہ تو صرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے، ہم نے بار بار انھیں اپنے سینے سے لگایا، تسلی کے جملے بولے، صبر و تحمل کی تلقین کی، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل مفتی صاحب کے اہلِ خانہ کو صبر و شکر کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

پونے کی سرزمین پر پہلی نمازِ جنازہ: حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ نے پونے کی سرزمین پر اپنی زندگی کا طویل زمانہ گزارا ہے، آپ نے وہاں مفتیِ شہر پونے، بلند پایہ قاضی اور جامعہ قادریہ کونڈوا پونے کے ناظمِ اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے یادگار خدمات انجام دی ہیں۔ پونے کی سرزمین پر آپ کے تلامذہ اور عوامی سطح پر آپ کے چاہنے والوں کا ایک سلسلۂ دراز تھا، محبین کی خواہش ہوئی کہ سب کا مفتی صاحب کے آبائی وطن پہنچنا تو بہت مشکل ہے، اس لیے شرعی اجازت کی روشنی میں ایک نمازِ جنازہ پونے کی سرزمین پر بھی ادا کر لی جائے، جامعہ قادریہ کے صحن میں ۱۷ر نومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ بعد نمازِ عصر آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی، آپ کی نماز میں کثیر تعداد میں علما، ائمہ اور عوام نے شرکت کی۔ چند نام حسب ذیل ہیں۔

مولانا اقبال رضا مصباحی (امامت نمازِ جنازہ پونہ)، مولانا منصور عالم اشرفی، مولانا سہیل رضا، مولانا شیر محمد اشرفی، مولانا رضاء الاسلام مصباحی، مولانا کاشف، مولانا غلام ربانی، سید محمد اشتیاق قادری، سید عبد الرحمٰن مصباحی، مولانا عالم گیر، مولانا ممتاز، مولانا محمد مستقیم، قاری محمد رضا، حافظ مختار، حافظ مسیح الزماں، حافظ عتیق الرحمٰن، حافظ اعجاز، قاری نیاز، مولانا عبد المجید مصباحی، قاری عبد الرحمٰن، مولانا شمیم الدین، قاری شمشاد اشرفی، حافظ اعجاز اشرفی، مولانا فضل احمد، مفتی شاکر رضوی، ڈاکٹر سعید احسن قادری، ڈاکٹر اختر حسین فاروقی (پروفیسر یونانی میڈیکل کالج پونہ)، مولانا مراد، مولانا شاہد، قاری مہتاب اشرفی، مولانا ضمیر الدین قادری، حافظ شہباز، ڈاکٹر سید طارق امام (سینیر پروفیسر پونہ کالج)، شفیع پٹان، معین الدین قریشی، الحاج محمد ابراہیم بھائی جان ممبر سینٹرل حج کمیٹی۔

مارواڑی کل، حاجی نگر میں دوسری نمازِ جنازہ: محبِ مکرم حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ کی لاش مبارک بذریعہ پلین پونے سے کولکاتا کے لیے روانہ ہوئی، ساتھ جانے والوں میں اہلیہ محترمہ، بیٹی گڑیا، خلفِ اکبر جناب افضال احمد (انجینئر) سلمہٗ، مولانا اشفاق احمد مصباحی، مولانا محمد عمر نعیمی، مولانا عبد الرحیم میمن، مولانا غلام سرور نعیمی اور دو خواتین تھیں۔ رنج والم سے چور یہ قافلہ جب آبائی وطن مارواڑی کل حاجی نگر ضلع ۲۴ر پرگنہ مغربی بنگال پہنچا

تو ایک طوفانِ قیامت برپا ہو گیا، برادران، اہلِ خانہ، متعلقین اور وابستگان غموں میں ڈوبے ہوئے تھے، ہر زبان پر ان کا ذکرِ خیر تھا، ظہر کی نماز کے بعد نمازِ جنازہ کا اہتمام کیا گیا، آپ کے حقیقی بھتیجے حضرت مولانا اشفاق احمد مصباحی نے نمازِ جنازہ پڑھائی، نماز پڑھنے والوں کا حیرت انگیز ہجوم تھا، اہلِ محبت کو کاندھا دینا مشکل ہو رہا تھا۔ شرکت فرمانے والے حضرات کے چند نام حسب ذیل ہیں:

نواسہ مجاہدِ ملت سید غلام محمد حبیبی قبلہ، سید احسن المظفر حسنی برکاتی، مولانا نور محمد مصباحی، مفتی عابد حسین مصباحی، مولانا عبد الرحیم میمن، مولانا محمد عمر نعیمی، مولانا غلام سرور نعیمی، مولانا سیف اللہ علیمی، مولانا محمد مختار عالم رضوی (صدر مجلس علماے اسلام، مغربی بنگال)، مولانا زین الدین شمسی، قاری محمد حیات عالم، مولانا شاہد حسین مصباحی، مولانا قمر الزماں مصباحی، مولانا جہانگیر مصباحی، مولانا حسن رضا، مولانا ندیم احمد مصباحی، مفتی اشتیاق مصباحی، مولانا منظور عالم مصباحی، مولانا حسیب رضا امجدی، مولانا غلام محی الدین حبیبی، مولانا معراج قادری، مولانا اقبال احمد، قاری رضوان برکاتی، مولانا اشتیاق مصباحی، الحاج شاکر علی عزیزی، پروفیسر شاہد اختر (صدر شعبۂ اردو محسن کالج) ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، پروفیسر توقیر امام، مولانا شبیر احمد مصباحی اور مفتی تاج الدین مصباحی۔ وغیرہ۔

ولادت اور حصول تعلیم پر اجمالی نظر: آپ کی ولادت باسعادت ۸؍ ستمبر ۱۹۶۶ء میں مارواڑی گل حاجی نگر میں ہوئی، والد ماجد حضرت مولانا نثار احمد انصاری علیہ الرحمہ اور والدہ ماجدہ محترمہ زینب بی بی مرحومہ تھیں، آپ کے برادران ماسٹر ارشاد احمد انصاری، سابق چیئرمین حالی شہر ڈاکٹر اعجاز احمد انصاری، ماسٹر فیاض احمد عزیزی، قاضی اسرار احمد عزیزی، ماسٹر انوار احمد ہیں، جب کہ تین بہنیں ہیں، سارے بہن بھائی تعلیم یافتہ، نیک سیرت اور بلند اخلاق ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اسلامیہ فری پرائمری اسکول (آدرش ہندی ودیالیہ) مارواڑی گل حاجی نگر میں ہوئی، اس کے بعد ۱۹۸۱ء میں آپ کا داخلہ جماعت اعدادیہ میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ہوا، یہاں آپ کی تعلیم و تربیت بڑے اعلیٰ معیار کے ساتھ ہوئی، عربی، اردو، فارسی کے ساتھ آپ انگریزی میں بھی خاصی مہارت رکھتے تھے، جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مقدس عرس کے موقع پر ۱۹۸۹ء میں آپ کی دستار فضیلت ہوئی، وہ ایک انتہائی خوشی کا ماحول تھا، اب وہ علمی مرد ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، اب ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی اور عملی خدمات کے صلے میں ان کی قبر میں روشنی عطا فرمائے۔ آمین۔

تدریسی اور تعمیری خدمات: جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ بدر العلوم جسپور، نینی تال اور جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم، بھوج پور، ضلع مراد آباد میں رہے اور یادگار تدریسی اور تربیتی خدمات انجام دیں، اس کے بعد ہم [مبارک حسین مصباحی] نے آپ کو شاہ آباد ضلع رام پور مدعو کیا، شاہ آباد کی زمین پہلے سنیت کی لالہ زار آبادی تھی، اس کے بعد دیوبندیت زیادہ ہو گئی، ہم نے حضرت مفتی صاحب کے مشورے سے اپنے مکان میں بیٹھ کر کافی غور و فکر کیا، اس کے بعد مدرسہ کا نام ”جامعہ طیبہ“ تجویز ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے ”دار العلوم اہل سنت جامعہ طیبہ شاہ آباد، ضلع رام پور کو بڑی محنت سے پروان چڑھایا، بفضلہ تعالیٰ آج قصبے کے اندر دو منزلہ خوب صورت عمارت ہے۔ اس کے علاوہ مین روڈ پر ساڑھے آٹھ بیگھ زمین پر ۸؍ بڑے ہال اور تین طرف سے باؤنڈری بن چکی ہے، اس وقت ۱۰۰؍ کے قریب بیرونی طلبہ ہیں، سائنس کے تین ٹیچر باضابطہ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، دیگر اہم اساتذہ بھی تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں۔ عربی فارسی مدرسہ بورڈ لکھنؤ سے عالیہ تک کی منظوری مل چکی ہے۔ شاہ آباد سے حضرت مفتی صاحب کو مدرسہ بدر العلوم جسپور والوں نے پھر اپنے یہاں بلا لیا۔ حضرت مولانا محمد نوشاد عالم قادری مصباحی غازی پوری نے کونڈوا، پونے، مہاراشٹر کی زمین پر ایک چھوٹی سی خوب صورت بلڈنگ خریدی، حضرت مفتی صاحب کو آپ نے بحیثیت ناظم اعلیٰ وہاں بلا لیا۔ پونے کی سرزمین پر آپ نے بڑی محنت سے خدمات انجام دیں، آپ نے وہاں پہنچ کر ایک ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے گوناگوں اوصاف و کمالات کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ کے ساتھ آپ کے دو تلامذہ حضرت مولانا محمد عمر نعیمی اور حضرت مولانا غلام سرور نعیمی نے بھی بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ یہ دونوں تو کسی وجہ سے مستعفی ہو گئے، حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی کی پر زور قیادت میں گراں قدر کارنامے انجام دیے اور دیگر حضرات کو ساتھ لے کر بڑی تاریخی خدمات انجام دیں۔ ان میں محترم الحاج فقیر محمد چودھری مرحوم اور مولانا عبد الرحیم میمن وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے جامعہ قادریہ کے زیر اہتمام جامعہ قادریہ نسواں، جامعہ قادریہ مسجد، ایلیو واڑی، کونڈوا، ام المومنین حضرت عائشہ مسجد اُندوری پونہ، قائم فرمایا۔ اس کے علاوہ دار القضا، کودل واڑی پمپری پونہ کا قیام فرمایا اور دار العلوم اشرفیہ رزاقیہ بھیونڈی کی سرپرستی بھی فرماتے رہے۔

حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ با صلاحیت عالم دین، تقویٰ شعار اور حالات پر گہری نگاہ رکھنے والے مدبر اور عظیم منتظم تھے، قول و فعل میں حسین امتزاج تھا، تعلقات بنانے اور نبھانے کا فن خوب جانتے تھے، موجودہ حالات پر گہری نظر تھی اور مستقبل کے مد و جزر پر حیرت انگیز حساس نگاہ رکھتے تھے۔ موقع موقع سے پروگرام کراتے رہتے تھے۔ خادم مبارک حسین مصباحی بھی متعدد بار حاضر ہو چکا ہے۔ ہمارے تاثرات اور بلند کانفرنسوں کی روداد ماہ نامہ اشرفیہ کے متعدد

شماروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

بیعت وخلافت اور قلمی خدمات: آپ نیک سیرت، متحرک وفعال اور عالم باعمل تھے، عہدِ طالب علمی میں خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ سلامیہ کے سجادہ نشین حضرت برہانِ ملت علامہ شاہ عبد الباقی برہان الحق جبل پوری [م:۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء] نور اللہ مرقدہ کے دستِ حق پرست پر مرید ہو گئے تھے۔ حضرت برہانِ ملت امام احمد رضا محدث بریلوی کے تلمیذ رشید اور محبوب خلیفہ تھے۔ حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی کو ہم نے متعدّد بار جبل پور جاتے ہوئے دیکھا، اپنے مرشدِ گرامی سے حد درجہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔

جب آپ نے مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا اکیسواں فقہی سیمینار جامعہ قادریہ پونہ کے زیرِ اہتمام پونہ کی سرزمین پر کرایا تھا، یہ اہم سیمینار بمقام بیورلی ہلس ہوٹل میں ۱۵/۱۶/۱۷/ صفر ۱۴۳۵ھ/۱۹/۲۰/۲۱/ دسمبر ۲۰۱۳ میں ہوا، قیام وطعام کا اہتمام بھی اسی بلند پایہ ہوٹل میں تھا۔ اس کے حسنِ نظم میں آپ کے حسنِ کارکردگی کا عالم دیدنی تھا۔ اس موقع پر حضرت مولانا محمد نوشاد عالم مصباحی کے تدبر اور دیگر حضرات کی کاوشوں نے بھی خوب جلوہ دکھایا۔ سیمینار کے بعد شہر پونے میں اجلاس عام ہوا جس میں عوام و خواص کے روبرو سیمینار میں حل شدہ فیصلے سنائے گئے اور علما و مشائخ نے اپنے گہرے تاثرات پیش فرمائے۔ اسی اجلاس میں جانشینِ حافظِ ملت عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے آپ کو خوب نوازا۔ حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی اور حضرت مولانا محمد نوشاد عالم قادری مصباحی کو سلسلہ قادریہ عزیزیہ کی خلافتیں عطا فرمائیں۔ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ آپ دونوں سے بے پناہ محبت فرماتے ہیں۔ اسی طرح ایک خاص موقع پر خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے چشم و چراغ حضرت علامہ سید شاہ سبطین حیدر قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ نے بھی آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔

ممبئی کے عظیم شیخِ طریقت حضرت علامہ سید شاہ محمد اشرف میاں نقش بندی چشتی دامت برکاتہم العالیہ نے ہمیں اپنے وطن خانقاہ نقش بندیہ قادریہ سریا شریف ضلع اعظم گڑھ بلایا، حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ کا وصال ہو چکا تھا، آپ نے دیر تک اس حادثۂ فاجعہ پر رنج وغم کا اظہار فرمایا۔ اسی دوران آپ نے فرمایا کہ مولانا ہم کیا بتائیں ؟؟؟ حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ سے ہم نے عرض کیا تھا کہ امسال گیارہویں شریف کے پروگرام میں ممبئی کی سرزمین پر ہم آپ کو اپنے سلاسل کی خلافت و اجازت دیں گے، یہ سن کر مفتی صاحب بہت خوش تھے، مگر افسوس وہ اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے طفیل ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ آپ گوناگوں اوصاف کے جامع تھے، زبان و قلم پر بھی بھرپور گرفت رکھتے تھے، اپنی بات کو سلیقے سے کہنے کا ہنر خوب جانتے تھے، مشکل سے مشکل اوقات میں دین وملت کی گفتگو کرنے کا حق حاصل تھا۔ اسی طرح آپ قرطاس وقلم پر بھی گرفت رکھتے تھے۔ آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں مگر گراں قدر مضامین اور مقالات خوب لکھتے تھے، مجلسِ شرعی کے پیچیدہ مسائل پر بھی لکھا ہے۔ ہم نے بھی دو تین بار ان سے مضامین تحریر کرائے۔ حق یہ ہے کہ آپ بڑی حد تک حق ادا کر دیتے تھے "حافظ ملت: افکار اور کارنامے" میں اور دیگر خصوصی مجلات میں آپ کی گراں قدر تحریریں شامل ہیں۔ آپ نے بجائے خود چند اہم کتابیں مرتب فرمائیں (تجلیاتِ حافظ ملت (۲) موبائل سے استفاضۂ خبر کب اور کیسے؟ خطاب سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی، ترتیب و پیشکش: از حضرت مولانا مفتی ایاز احمد مصباحی، ناشر: جامعہ قادریہ، کونڈوا، پونہ، سنِ اشاعت: صفر المظفر ۱۴۳۹ھ/نومبر ۲۰۱۷ء۔ ان کے علاوہ ریاض الصالحین (عربی کا اردو ترجمہ) غیر مطبوعہ اور بھی کچھ تالیفات ہیں جن کا بروقت ہمیں علم نہیں۔

جامعہ اشرفیہ اور حافظِ ملت سے آپ کے خاندانی روابط:

حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ کے مرید صادق محترم المقام ماسٹر فیاض احمد عزیزی نے اپنی پھوپھی جان کے حوالے سے فرمایا کہ: "ہمارے پردادا محترم حسیب اللہ مبارک پوری مرحوم نے ایک بار اپنے دونوں فرزندوں کو اپنے دونوں پہلوؤں پر بیٹھایا۔ یہ دونوں فرزند اس وقت چھوٹے چھوٹے بچے تھے، پہلے ہمارے دادا جان مولانا رفیع الدین اظہرؔ علیہ الرحمہ سے فرمایا: بیٹا کا کریہو؟ انھوں نے اپنے خاص لہجے میں عرض کیا: "ابا! پڑھ ہوں"۔ والدِ گرامی نے فرمایا! ٹھیک ہے بیٹا تو پڑھو۔ پھر ان کے چھوٹے بھائی محترم امیر الدین مرحوم سے فرمایا! بیٹا! تو کا کریہو؟ انھوں نے جواب دیا: "ابو! بِن ہوں" ابا نے فرمایا: ٹھیک ہے تم بُننا۔

جناب ماسٹر فیاض احمد عزیزی فرماتے ہیں کہ ہمارے پردادا نے جو فرمایا آج تک دونوں کی اولاد وہی کر رہی ہے کہ ہمارے دادا جان علیہ الرحمہ، والد گرامی حضرت مولانا نثار احمد انصاری علیہ الرحمہ، ہم سب چھ بھائی اور بہنیں اور ان کی اولاد پڑھنے پڑھانے میں لگی ہوئی ہیں اور ہمارے چھوٹے دادا امیر الدین مرحوم کی اولاد آج تک بننے بنانے میں لگی ہوئی ہے۔ اب آکر ان کی اولاد میں ایک مولانا محمد ناظم مصباحی ہوئے ہیں، مگر وہ بھی اب تک اپنے آبائی کام میں ہی لگے ہیں۔ اب شاید آئندہ ان کا مزید تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔

مولانا رفیع الدین اظہرؔ مصباحی مبارک پوری مدرسہ اشرفیہ مبارک پور کے خوشہ چینوں میں تھے، ۱۹۰۴ء کے فساد کے بعد آپ رِسڑا ضلع ہگلی

[مغربی بنگال] چلے گئے، آپ نے وہاں درس و تدریس اور امامت و خطابت کے فرائض انجام دیے۔ اور قریب دس سال کے بعد آپ مارواڑی کل، حاجی نگر ضلع شمالی چوبیس پرگنہ تشریف لے آئے۔ آپ شعر و شاعری بھی فرماتے تھے، آپ کا تخلص اظہر تھا، آپ کے چند کلام دیکھنے کا موقع بھی ملا، سادہ لب و لہجہ میں عشق و محبت سے لبریز ہیں، فن کا مظاہرہ تو نہیں ہے مگر دل کی دنیا بدلنے اور عام ذہنوں کو متاثر کرنے والے عناصر سے بھرپور ہیں۔ یہ تفصیلات ہم مولانا قمر الزماں قمر مبارک پوری کی معروف کتاب "سخنورانِ اعظم گڑھ" جلد اول کے حوالے سے نوٹ کررہے ہیں۔

مارواڑی کل حاجی نگر میں آپ نے ۱۹۲۹ء میں انجمن فلاح المسلمین کی تاسیس فرمائی جو آج تک مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی مبارک خدمت انجام دے رہی ہے۔ آپ امامت و خطابت اور خدمتِ خلق میں ہمیشہ مصروف رہتے تھے، ساتھ میں ایک کپڑے کی دوکان بھی کرتے تھے، نیک سیرت، بلند اخلاق اور تقویٰ شعار تھے، اپنی اولاد کو آپ نے دینی اور عصری تعلیم سے آراستہ کیا۔ آپ کا وصال پر ملال ۲۹/ ذوقعدہ ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔

آپ کے بڑے فرزند ارجمند حضرت مولانا نثار احمد انصاری [م:۹/۱۹۷۹ء/۶/ صفر ۱۴۰۰ھ] محلہ پورہ دیوان، مبارک پور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے اور بقول حضرت مولانا قمر الزماں قمر مبارکپوری "اشرفیہ مبارک پور کے فاضلِ دینیات تھے" آپ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ کے ہم جماعت تھے۔ حضرت بحر العلوم نے اسے تحریر بھی فرمایا اور صاحب زادگان سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے اور اس کا ذکر بھی فرماتے تھے۔ حضرت مولانا رفیع الدین اظہر مصباحی مبارکپوری نے اپنے وصال سے قبل انھیں مارواڑی کل، حاجی نگر، بلا لیا تھا۔ ابھی چوں کہ آپ بزرگ ہونے کے باوجود صحت مند تھے اس لیے انھوں نے اپنے فرزند مولانا نثار احمد انصاری سے فرمایا کہ "بیٹا! اس علاقے میں انگریزی کی بہت ضرورت پڑتی ہے اس لیے آپ انگریزی پڑھ لیں، آپ نے دو سال تک محنت سے انگریزی کی تعلیم حاصل فرمائی، لکھنے اور بولنے کی صلاحیت کے حامل ہوگئے۔ آپ نے اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد امامت و خطابت شروع فرمائی، اسی کے ساتھ مسجد کے حجرے کے ایک حصہ میں مطب بھی فرماتے تھے۔ آپ میلاد النبی ﷺ اور جلسوں کی محفلوں میں قبل از وقت تشریف لے جاتے، اہلِ خانہ یا انتظامیہ سے دریافت فرماتے، سارے انتظامات ہوگئے یا کچھ باقی ہیں، ان مواقع پر اپنے لائق خدمات پیش فرماتے۔ شادی کی تقریبات اور غموں کی مجلسوں میں گھروں پر پہنچتے، حالات دریافت فرماتے، مفید مشوروں سے نوازتے، اگر کوئی ضرورت ہوتی تو اپنے اثرات سے پوری فرماتے۔ آپ حضرت حافظ ملت اور دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ حضرت حافظ ملت جب کولکاتا تشریف لے جاتے تو چلنے سے پہلے خط لکھ کر آپ کو مطلع فرماتے، آپ جا کر ان سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات فرماتے۔ جب حضور حافظ ملت کے وصال کا خط پہنچا تو آپ چھت والا پنکھا (سیلنگ فین) درست فرما رہے تھے، خط پر نظر پڑی تو آپ غم کی تاب نہ لا کر وہیں سے نیچے گر پڑے اور پھر بھرائی آواز میں فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا اشفاق احمد مصباحی کے جشن دستار فضیلت ۱۷/ جون ۲۰۰۷ء میں شائع ہونے والی کتاب کے آغاز میں تحریر فرمایا ہے:

"مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے احقر کے خاندان کی یہ چوتھی نسل بھی فیض پا کر میدان عمل میں قدم رکھ رہی ہے۔ جدِ محترم مولوی رفیع الدین بن حبیب اللہ مبارکپوری اس چمنستان کے اولین خوشہ چینوں میں سے تھے [جیسا کہ بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ ماہنامہ اشرفیہ مئی ۱۹۸۴ء میں تحریر فرمایا ہے] اس کے بعد والد محترم حضرت مولانا نثار احمد علیہ الرحمہ بھی وہیں سے فیضیاب ہوئے، بعدہٗ احقر نے ۸۱ء تا ۸۹ء اکتساب فیض کیا اور اب برادر زادے عزیزم مولانا اشفاق احمد مصباحی سلمہ اسی مرکز علم سے دستارِ فضیلت حاصل کررہے ہیں۔" (فضل العلم والعلما، وغیرہ، ص:۳)

اور اب آخری بات: حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ اس دنیا سے تشریف لے گئے، ان سے ہمارے بڑے گہرے روابط تھے، ہم عام طور پر ان سے رابطے میں رہتے تھے، وہ دین و ملت کے کاموں کو بڑی توجہ اور ذمہ داری سے پورا فرماتے تھے، پونے، مہاراشٹر اور دیگر مقامات کی سرزمین پر ان کی زریں خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ حضرت کا پورا خاندان علمی فیوض و برکات سے مالا مال ہے۔ بھائیوں میں ہم نے کبھی اختلاف نہیں دیکھا، اسی طرح گھر کی خواتین اور ان کی اولاد میں کبھی چپقلش نہیں دیکھی گئی، حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ کی اہلیہ محترمہ، دو فرزند عزیز القدر افضال احمد [انجینئر] سلمہٗ اور مولوی عرباز احمد سلمہٗ ہیں۔ ایک دختر نیک اختر کنیز عائشہ عرف گڑیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔ [ہم تفصیل سے اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انشاء اللہ]

[نوٹ: آپ کا عرس چہلم پونے کی سرزمین پر ۲۶/ دسمبر ۲۰۱۷ء مارواڑی کل حاجی نگر میں ۲۸/ دسمبر ۲۰۱۷ء کو ہونا طے پایا ہے۔]

مولانا نور الھدیٰ مصباحی (نور اللہ مرقدہ)

علما و مشایخ کی نظر میں

از: مولانا نور الھدیٰ مصباحی

کچھ لوگ دل میں رہتے ہیں، ان کا ہنستا مسکراتا چہرہ دل کے لیے باعث اطمینان ہوتا ہے، ان کی باتیں روح کی تسکین کا سامان ہوتی ہیں۔ ان کا وجود اکیلے، انجمن ہوتا ہے۔ وہ جہاں بیٹھتے ہیں، مرکز توجہ اور میر محفل ہوتے ہیں۔ ان کی ایک مسکراہٹ. دردِ دل کا مرہم اور مضطرب روح کی دوا ہوتی ہے۔ ان کا کام ہی ہوتا ہے لوگوں کو خوش رکھنا، خود غم سے نڈھال ہوتے ہیں مگر سامنے والے کو مسرور دیکھنا ان کی عادت ہوتی ہے۔ اپنا درد بھول کر دوسروں کے درد کا علاج کرتے ہیں۔ ایسے تھے میرے کرم فرما حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی۔ اب ان کے جانے کے بعد کون ہے جو ہماری خطاؤں پر تنبیہ کرے گا. کون ہے جو ہر چھوٹے بڑے کام پر حوصلہ افزائی کرے گا. کون ہے جو غم میں خوشی کے سرمدی نغمے چھیڑے گا؟

جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے موصوف کو دلی لگاؤ تھا، ان کے انتقال کے بعد ان کی حیات و خدمات پر ذمہ داران اشرفیہ نے ماہ نامہ اشرفیہ میں خصوصی ضمیمہ نکالنے کا فیصلہ کیا، جو آج آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔ اللہ رب العزت ان کرم فرماؤں کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے۔ آمین۔

مولانا نور الہدیٰ مصباحی نور اللہ مرقدہٗ کے سانحۂ ارتحال کے بعد سوشل میڈیا اور فون پر کثیر تعداد میں علما و دانشوران قوم نے اپنے گہرے رنج و غم اور قیمتی تاثرات شیئر کیے جسے قارئین کی نظر کیا جا رہا ہے۔

مولانا نور الہدیٰ مصباحی نظامی نور اللہ مرقدہ، بہت سی خوبیوں کے حامل اور میرے عزیزوں میں سے تھے۔ گونا گوں اوصاف کا مالک ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج تھے۔ آپ کے اندر بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت کا صادق جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا، علم دوست حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

از: علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ
سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

---*---*---*---

مولانا نور الہدیٰ مصباحی مرحوم کے شخصی اوصاف میں ملنساری، خوش اخلاقی اور تواضع وغیرہ کئی چیزیں کشش کا باعث تھیں۔ ملّی درد اور جماعتی اخلاص آپ کو نمایاں بناتا تھا۔ علماے اہل سنت کو متحد کرنے کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ اللہ رب العزت ان کے گناہوں کو معاف فرما کر مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

از: علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی
صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور،

---*---*---*---

عصر سے کچھ پہلے قیلولے سے ابھی اٹھا ہی تھا کہ محمد حمزہ سلمہ نے موبائل ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا یہ لو ابو کسی کا فون آرہا ہے، نظر پڑی تو فون مرحوم و مغفور مولانا نور الہدی مصباحی دھرم سنگھوا کا تھا، فون ریسیو کیا تو خوش کن جملوں، اور "جی سرکار" کے بجاے ایک بچے کے ذریعہ ان کے انتقال کی خبر موصول ہوئی، یقین نہیں آرہا تھا، مگر خبر ان کے بیٹے کی تھی اس لئے دل کو منانا پڑا۔ اللہ تعالی مولانا کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ درد اس قدر ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا، ابھی تو میں اسی بات میں حیران ہوں کہ مولانا سے میرا رشتہ کیا تھا؟، وہ میرے سگے بھائی تھے؟ قریبی رشتے دار تھے؟، یا اور کچھ؟ درد کی کسک میں تعیین کا تخیل غائب ہو چکا

ہے، ہوش آیا تو بتاؤں گا کہ مولانا نور الہدی مصباحی کون تھے ؟
فقیر انوار احمد خان بغدادی
دار العلوم علیمیہ جمداشاہی

---*---*---*---

یہ دنیا فانی ہے۔یہاں ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے، صرف اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ انسانی آبادی میں نہ جانے کتنے لوگ آئے اور چلے گئے، کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی زندگی کے نقوش، دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں، وہ ہمارے بیچ نہ رہ کر بھی موجود ہیں۔ انھیں شخصیتوں میں مولانا نور الہدیٰ مصباحی کی پُر وقار شخصیت بھی ہے۔ جو مالکِ حقیقی کے جوار رحمت میں خوابیدہ ہیں۔ موصوف کا وصال، ملت کا عظیم خسارہ ہے۔

اللہ رب العزت انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

علامہ سید محمد اشرف کچھوچھوی، صدر آل انڈیا علما مشائخ بورڈ

---*---*---*---

حضرت مولانا نور الہدی مصباحی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ، حق گو، بیباک، مخلص، ظاہر و باطن یکساں رکھنے والے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی علم اور عصری شعور و آگہی کے علاوہ گہری اور وسیع ملی و سیاسی بصیرتوں سے بھی نوازا تھا۔ ان کی شخصیت میں ملت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، ان سے جب باتیں شروع ہوتی تھیں تو وہ شاید یہ بھول جاتے تھے کہ ہم موبائل سے بات کر رہے ہیں۔ جماعت کے داخلی اور خارجی حالات پر گہری نگاہ رکھتے تھے، حضور حافظِ ملت اور جامعہ اشرفیہ کے سچے وفادار تھے، ان کے تعلقات جماعت کے ہر طبقے سے تھے، وہ نقد و نظر اور بال کی کھال نکالنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتے تھے، وہ باتوں باتوں میں ہنستے ہوئے سب کچھ کہہ جاتے تھے، وہ موبائل سے ترسیلی ذرائع کا فن بھی خوب جانتے تھے، اب ان کے جیسا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق بخشے۔

از: علامہ مبارک حسین مصباحی، چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

---*---*---*---

آج بعد نماز مغرب واٹس ایپ پر مولانا نور الہدی مصباحی دھرم سنگھوا کے انتقال پر ملال کی خبر پڑھ کر پہلے تو لگا کہ کسی نے مذاق کیا ہے، پھر مسلسل کئی پوسٹ پڑھ کر کچھ شبہہ ہوا تو ان کے گاؤں کے مولانا اسلم بھیونڈی کو فون کیا تو انھوں نے بے پوچھے مولانا کے انتقال کی جانکاہ خبر رو رو کر سنائی۔ مصدقہ خبر سنتے ہی ایک لمحہ کے لئے مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ بے پناہ رنج و غم اور تکلیف ہوئی۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آرہا ہے کہ اچانک یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ ابھی پرسوں ۲۵ ،اکتوبر کو انھوں نے میسیج کیا کہ تم اترولہ جلسے میں جارہے ہو تو دھرم سنگھوا میرے گھر کھانا کھاتے جاؤ۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے دوست کی یہ آخری دعوت ثابت ہو گی ورنہ چلا ہی جاتا۔ آہ، جو روزانہ کھری کھوٹی سناتا تھا۔ ملی مسائل پر ہمیشہ مجھ کو جھنجھوڑتا تھا، وہ مجھ سے رخصت ہو گیا۔ جس نے زمانہ طلب علمی سے لے کر اب تک میرے ساتھ اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہ کی، جو ہزار تنقید کے باوجود مجھ سے محبت کرتا تھا، وہ مجھ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اے میرے پروردگار، اپنے حبیب کے صدقے میں ان کی مغفرت فرما اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما۔ آمین

مفتی شمشاد احمد مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

---*---*---*---

حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی بہت ہی متحرک وفعال فرد تھے، ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارس عربیہ اتر پردیس کے سرگرم رکن تھے اور ہمیشہ مدارس اسلامیہ میں بہتر تعلیم کے لیے فکر مند رہتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ ایک بار پھر مدارس اسلامیہ میں ہمارے بزرگوں کا وقار جھلکتا نظر آئے۔

دیوان صاحب زماں
جنرل سکریٹری ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارس عربیہ اتر پردیش

---*---*---*---

حضرت علامہ نور الہدیٰ مصباحی ایک متحرک وفعال شخصیت کا نام ہے۔ مرحوم سے اگرچہ زیادہ ملاقات کا موقع نہ ملا لیکن فون سے ناچیز نے بارہا گفتگو کی ہے۔ گفتگو میں حلاوت، اور بات بات میں جملوں پر گرفت اور اس کی اصلاح کرنا ان کا شیوہ تھا۔ ان کے دل میں سنیت کا درد تھا۔ کوئی بھی مسئلہ رونما ہوتا تو بڑی باریک بینی سے اس کے حل کی

کوشش کرتے۔ کبھی کبھی ناراض بھی ہوجاتے، مگر فوراً باتوں اور تحریروں میں ایسا محبت بھرا جملہ پیش فرماتے کہ دل باغ باغ ہوجاتا۔

از: کمیل اشرف علیمی

دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ سنت کبیر نگر

----*-*-*----

مولانا نورالہدی مصباحی کا انتقال جماعت اہل سنت کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے۔ موصوف نے کبھی ادب کا دامن نہیں چھوڑا۔ فروغ سنیت، دعوت وتبلیغ ان کا پسندیدہ میدان تھا۔ انتقال سے چند روز قبل ہم اپنے ادارہ کے موقر اساتذہ کے ساتھ موصوف کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تھے، انھوں نے نہایت مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہوئے شرکاے محفل کا استقبال کیا۔ اور جلد ہی دوبارہ دعوت پر آنے کی سفارش بھی کی۔ مگر افسوس حضرت کے انتقال کی خبر سن کر میں کانپ اٹھا کہ بات بات پر ہماری حوصلہ افزائی کرنے والا محسن ہمیشہ کے لیے ہم سے رخصت ہوگیا۔ اللہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے مرحوم کی مغفرت فرماکر ان کے اہل خانہ کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

مفتی محمد صادق مصباحی

سعیدالعلوم لکشمی پور، مہراج گنج

----*-*-*----

حضرت علامہ نورالہدی مصباحی نوراللہ مرقدہٗ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کو حق گو، بیباک، مخلص ہمدرد کے طور پر جانا جاتا ہے، آپ میں اللہ نے جو نمایاں خوبیاں ودیعت کی تھیں ان میں سے ایک نہایت اہم خوبی ”جماعتی اتحاد اور فروغ سنیت“ ہے۔

فیاض احمد خان مصباحیؔ، شراوستی (یوپی)

----*-*-*----

مولانا موصوف جماعت اہل سنت کے بے باک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ حالات زمانہ پر عقابی نگاہ رکھتے تھے۔ ساتھ ہی خلیق و ملنسار واقع ہوئے تھے۔ انتہائی ذہین و فطین ہونے کے ساتھ ساتھ علم فقہ میں ژرف نگاہی رکھتے تھے، طبیعت میں سادگی کے جلوے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ اپنے اساتذہ ومشائخ کرام کی عالی بارگاہوں میں سراپا مؤدب نظر آتے تھے، بہت ساری خوبیوں کے مالک اور بہترین محقق تھے۔

محمد عالمگیر رضوی مصباحی امجدی عفی عنہ

خادم تدریس وافتا، اسحاقیہ جودھپور راجستھان

----*-*-*----

جس دن سے مولانا نورالہدیٰ مصباحی دھرم سنگھواں کی رحلت ہوئی ہے اسی دن سے کافی بے چینی رہتی ہے بار بار مولانا موصوف کا چہرہ اور ان کی باتیں یاد آتی رہتی ہیں۔ مولانا میرے مشفق، کرم فرما تھے، اکثر مجھے اپنے نیک مشوروں اور دعاؤں سے نوازا کرتے تھے۔

محمد ابوبکر مصباحی امجدی

فیضان حافظ ملت بدھیانی خلیل آباد

----*-*-*----

حضرت مولانا نورالہدیٰ مصباحیؔ، قوم وملت کے سچے ہمدرد اور مسلک اعلیٰ حضرت کے سچے ترجمان تھے، وہ ہمیشہ صرف امت مسلمہ کے لیے تڑپتے تھے، ان کی ایک بہت بڑی خواہش تھی کہ اہل سنت وجماعت کے تمام علما اور خانقاہی افراد متحد ومتفق ہوکر دین وسنیت کا کام کریں۔

مولانا سید علی نظامی

پرنسپل سعیدالعلوم لکشمی پور، مہراج گنج

----*-*-*----

مولانا نورالہدی نظامی مصباحی مرحوم، حق گو، خوش، ملنسار اور علما نواز تھے۔ ملت کی فلاح وبہبود کے لیے ہمہ وقت سرگرم عمل رہتے تھے، خانقاہ نظامیہ اگیا شریف سے ان کی دلی وابستگی تھی، ہمہ وقت اپنے نیک اور مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ اللہ انھیں غریق رحمت فرمائے۔

مولانا ضیاء المصطفیٰ نظامی

خانقاہ نظامیہ اگیا، سنت کبیر نگر

----*-*-*----

مولانا نورالہدیٰ مصباحی مرحوم کی تحریروں میں ان کی نیک بختی اور خدا ترسی کی روشنی دکھتی تھی۔ مرحوم گوناگوں صفات کے مالک تھے۔ ملت کا درد ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنا درد بھول کر دوسروں کے غم اور درد کو ہلکا کرنے کا ہُنر وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

مولانا نور محمد مصباحی، سعیدالعلوم، لکشمی پور

----*-*-*----

مولانا نورالہدی مصباحی

ایک ہر دلعزیز عالمِ دین

محمد نظام الدین قادری

بغیر کسی شک وشبہ کے کہا جاسکتا ہے کہ مولانا نور الہدی مصباحی غفراللہ لہ کو خدائے ذوالجلال کی طرف سے ایک اچھی موت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ مبارک و مسعود دن جمعہ کے روز بعد نمازِ جمعہ انھیں موت نصیب ہوئی، دنیا کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایک خالص دیہات میں ان کی رہائش ہونے کے باوجود ملک کے معروف اداروں کے مصروف ترین اساتذہ وعلمائے اہلِ سنت اور عوامِ اہلِ سنت کے ایک کثیر ہجوم نے ان کے آبائی وطن پہنچ کر اُن کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرکے اُن کے لیے دعائے مغفرت کی۔ سب کی زبانوں پر اُن کے اوصافِ حمیدہ کے تذکرے اور سب کا دل اُن کے فراق سے مغموم وافسردہ تھا۔ دنیائے اسلام وسنیت کی شہرۂ آفاق درس گاہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے سابق شیخ الجامعہ اور موجودہ ناظم تعلیمات خیر الاذکیاء، شیخ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے جامعہ کے دیگر ممتاز اساتذہ کے ساتھ اُن کے رسومِ تدفین میں شرکت کی اور اُن کی اقتدا میں سیکڑوں علمائے دین وعمائدین اور عوامِ اہلِ سنت نے اِس عالمِ ربانی کے جنازہ کی نماز ادا کی۔

دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ اُن کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے والوں میں (۱) جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ (۲) دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی (۳) دارالعلوم اہلِ سنت تنویر الاسلام امرڈوبھا، سنت کبیر نگر (۴) دارالعلوم اہلِ سنت تدریس الاسلام بسڈیلہ، سنت کبیر نگر (۵) جامعہ غوثیہ رضویہ اگیا، سنت کبیر نگر (۶) جامعہ حنفیہ رحمت گنج، بستی (۷) دارالعلوم اہلِ سنت بحر العلوم شہر خلیل آباد، سنت کبیر نگر (۸) دارالعلوم فیضان حافظِ ملت، بدھیانی، خلیل آباد (۹) دارالعلوم مصباح العلوم ، بدھیانی خلیل آباد (۱۰) دارالعلوم اہلِ سنت مہدیوا، سنت کبیر نگر (۱۱) دارالعلوم اہلِ سنت اظہار العلوم ارجی، سنت کبیر نگر (۱۲) جامعۃ الزہرا، سسوا پکری، سنت کبیر نگر (۱۳) دارالعلوم صدر العلوم سسوا پکری، سنت کبیر نگر (۱۴) مدرسہ اشرفیہ کونڈر، بستی (۱۵) مدرسہ اہلِ سنت اموڑھا بستی (۱۶) دارالعلوم شمس العلوم مہندوپار، سنت کبیر نگر (۱۷) دارالعلوم سید العلوم ٹکماڈیہ، چھپی پور، مہراج گنج کے اساتذہ کے علاوہ دیگر متعدّد معاہد ومدارس اہلِ سنت کے علما وطلبہ اور کثیر تعداد عوامِ اہلِ سنت نے اُن کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور انھیں سپردِ خاک کیا۔

اُن کے انتقال کے بعد سے ہی سوشل میڈیا کی مذہبی سائٹوں پر اُن کے انتقال پر ملال اور اُن کے بارے میں علمائے اہلِ سنت کی تاثراتی تحریریں آنی شروع ہوگئیں، اخبارات میں اُن کے انتقال کی خبریں چھپیں، اندرونِ ملک ہی نہیں بیرونِ ملک کے علمانے اُن کے وصال کو ملت کے لیے ایک خسارہ قرار دیا، اُن کے ایصالِ ثواب کے لیے نہ جانے کتنی مجلسوں نے قرآن خوانی اور اذکار واوراد کا اہتمام کیا۔ یہ سب دیکھ کر ہر کوئی اس حقیقت کا معترف ہے کہ بفضلہ تعالیٰ مولانا موصوف کو علمائے اہلِ سنت کے درمیان بڑی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ وذلك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔ دعا ہے کہ خدائے غافر وقدیر اُن کے حسنات کو قبول فرمائے اور اُن کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ آمین، یارب العالمین!

مولانا موصوف سے مجھ کو ربعِ صدی سے زائد عرصہ تک رفاقت حاصل رہی، عہدِ طالب علمی میں دو سال (۱۹۹۱ء اور ۱۹۹۲ئ) ایک ہی دارالاقامہ میں آس پاس کے کمرے میں رہائش رہی اور اس کے ایک سال بعد جنوبی ہند کی ایک معروف دینی درس گاہ دارالعلوم امام احمد رضا رتناگیری مہاراشٹر میں ایک سال تک (۱۹۹۴ء میں) اُن کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دینے کا موقع ملا، اور اس کے بعد بھی حیات کے آخری ایام تک اُن سے رابطہ رہا۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس ہورہی ہے کہ دارالعلوم امام احمد رضا رتناگیری میں مولانا موصوف بڑی محنت اور پوری ذمہ داری سے تدریسی امور سر انجام دیتے تھے، اس دوران ان کے زیرِ تدریس معیاری کتابیں ہوتی تھیں، کوکن کے علاقہ میں چوں کہ شوافع کی کثرت ہے اس لیے وہاں کے نصابِ تعلیم میں فقہ شافعی کی بھی منتہی درجہ تک کی کتابیں داخل ہیں، مولانا موصوف محنت ومطالعہ سے اُن کتابوں کو بھی بحسن وخوبی پڑھاتے ، دورانِ تعلیم طلبہ اُن کی طرزِ تدریس کے مداح اور اُن کی شفقت وعنایت سے کافی متاثر تھے، بلکہ وہاں سے مولانا موصوف کی علاحدگی کے بعد بھی بہت سارے ذہین اور کامیاب طلبہ کا اُن سے رابطہ برقرار تھا اور وہ آج بھی اُن کی کرم نوازیوں کے معترف ہیں۔

غالباً سن انیس سو پنچانوے میں مولانا موصوف جب دارالعلوم امام

استاذ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی

احمد رضا رتناگیری مہاراشٹر سے علاحدہ ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد نوگڑھ کی ایک مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری قبول کرلی، امامت وخطابت کے ساتھ مولانا موصوف نے مسجد سے متعلق دیگر بہت سارے امور کی انجام دہی کی ذمہ داری خنداں پیشانی سے منظور کرلی، اذان دینا، مسجد کی جاروب کشی کرنا، جمعہ کے دن نمازیوں کی تعداد کے لحاظ سے چٹائی بچھانا اور بعد نماز سمیٹ کر محفوظ کرنا، نالیوں کی صفائی، وقت سے مسجد کھولنا اور بند کرنا وغیرہ یہ سب کچھ مولانا کی ذمہ داریوں میں شامل تھا اور مولانا موصوف بڑی خوشی کے ساتھ یہ سارے امور انجام دیتے تھے، اور کیوں نہ ہو کہ خانۂ خدا کی تطہیر وہ مقدس وظیفہ ہے جس کے لیے بارگاہِ ذوالجلال سے اُس کے خاص خلیل اور اُن کے فرزند کو خاص حکم عطا ہوا تھا۔

مگر مولانا مغفور نے اپنی حکیمانہ تدبیروں سے مسجد کو نہ صرف اُن کے تسلط سے آزاد کرایا اور آج وہاں سے سنیت کا پیغام دیا جارہا ہے اور اہلِ سنت کے معمولات کے مطابق وہاں امام احمد رضا قدس سرہ کا نعتیہ سلام پڑھا جارہا ہے۔ اس مسجد کی خدمت کے ایام کو مولانا موصوف اپنے لیے ایک ریاضت ومجاہدہ کا چلّہ قرار دیتے اور مسرت کے عالم میں بتاتے کہ اس خدمت سے علاحدگی کے بعد خدائے ذوالجلال نے اسی ریاضت ومجاہدہ کے صلہ میں مجھے ایک اچھی ملازمت کا تحفہ عطا کیا کہ مجھے میرے آبائی وطن میں ہی قائم دارالعلوم احمدیہ معراج العلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے کا موقع مل گیا جو حکومتِ اترپردیش سے امداد یافتہ ادارہ ہے۔ اور اس طرح سے یک گونہ معاشی تنگی سے نجات ملی۔

غالباً ۱۹۹۶ء میں مولانا موصوف اس ادارہ سے منسلک ہوئے اور وفات تک اسی ادارہ میں تدریس سے متعلق رہے۔ ذمّہ دارانِ مدرسہ کی خصوصی دلچسپی اور توجہ کے سبب بعض تعلیمی سالوں میں یہاں منتہی جماعت تک کے محنتی طلبہ زیر درس رہے ہیں اور درسِ نظامی کی معیاری کتابیں مولانا موصوف کے سپرد کی جاتیں، جن کو مولانا موصوف بڑی ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے پڑھاتے۔ بعض کتابوں کے مشکل مقامات میں شرح صدر کے لیے بلا جھجھک دوسرے علما سے مراجعت اور تبادلۂ خیال کرنے کے بعد تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔

میرے اپنے خیال میں مولانا موصوف صاف گو تھے، دل میں جو ہوتا تھا کہہ ڈالتے تھے اور اس کا اثر بھی مرتب ہوتا تھا کیوں کہ تجربات کی روشنی میں یہ مقولہ بالکل برحق اور صادق ہے "آں چہ از خیزد بر دل ریزد"۔ حق گوئی کی جسارت، لحاظ مقام ومرتبہ کے ساتھ شگفتہ انداز میں اکابر علما سے اپنی بات کہہ ڈالنے کا حوصلہ، مذہبی دنیا میں رونما والے واقعات وسانحات سے واقفیت اور علما کے باہمی اختلافات ونزاعات دور کرانے میں اپنی مقدور بھر جد وجہد کے باعث مولانا موصوف اپنی ایک خاص شناخت رکھتے تھے۔ مذہبی امور میں علما سے رابطہ اور احباب کی خبر گیری میں اپنا کافی وقت صرف کرتے تھے۔ انتقال والی شب میں بھی مولانا صاحب کا اپنے احباب سے رابطہ منقطع نہیں ہوا تھا۔

اپنے سے زیادہ پریشان حال انسانوں پر نظر ایک انسان کے اندر جذبۂ شکر کو تحریک دیتی ہے، شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک موقع پر اتنے شہرۂ آفاق اور قادر الکلام شاعر ہونے کے باوجود اُن کی عسرت وتنگ دستی کا عالم یہ تھا کہ ان کو پہننے کے لیے جوتے بھی میسر نہ تھے، برہنہ پا کہیں چلے جارہے تھے، کیا دیکھ رہے ہیں کہ ایک آدمی راستہ میں پڑا ہوا ہے اور وہ پیر کی نعمت سے ہی محروم ہے۔ دیدۂ عبرت سے دنیا کو ملاحظہ کرنے والے اس حکیم کی آنکھیں کھل گئیں اور انھوں نے تحدیثِ نعمت اور شکرانے کے لیے اپنے ہاتھ منعم حقیقی کی بارگاہ میں اٹھا دیے کہ مولا! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے پیر کی عظیم نعمت سے سرفراز کرر کھا ہے۔ اسی قسم کا جذبہ مولانا موصوف کے اندر دیکھا گیا، فراغت کے بعد ابھی سال بھر کا زمانہ بھی نہ گزرا تھا کہ اُن کے والد اس دنیا سے رخصت ہوگیے تھے، اُس وقت سے لے کر پورے کنبہ کی کفالت مولانا موصوف کے ذمہ تھی، کئی سال انھوں نے بڑی کلفت وتنگ دستی میں گزارے، اہلِ خانہ کی راحت رسانی کے لیے پریشانیاں جھیلتے، مگر نامساعد حالات کبھی بھی اُن کے پیشانی پر شکن نہیں ڈال سکے اور وہ ہنستے مسکراتے حالات سے نبرد آزما رہے اور اُن کی زبان سے شکر گزاری کے کلمات ہی سنے گیے۔

بزرگان دین کے آستانوں سے اُن کو سکون ملتا تھا اور اپنی پریشانیوں کے حل کے لیے وہ انہی کی بارگاہِ عظمت کا سہارا لیتے تھے، اسی لیے اُنھوں نے خاصا وقت کچھوچھہ مقدسہ کے آستانہ پر گزارا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ قبل پیرِ طریقت حضرت علامہ سید محمد اشرف کچھوچھہ مقدسہ سے انھیں اپنی خلافت واجازت سے بھی نوازا تھا۔

اُن کا رابطہ قرطاس وقلم سے کم رہا، مگر اُن کا اسلوبِ نگارش اُن کی گفتگو کی طرح شگفتہ اور دلچسپ ہے، ماہ نامہ اشرفیہ نومبر ۲۰۱۷ء میں اُن کی خود نوشت سوانح کے کچھ اوراق طبع ہوئے ہیں جو بہت ہی دلچسپ اور عبرت آموز ہیں۔

مولانا مغفور اپنی صاف گوئی، خلوصِ مودت جیسی خوبیوں کی بنا پر اپنے احباب کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے اور اُن کی یاد دلوں کو مضطرب اور بے قرار کرتی رہے گی۔

جان کر من جملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

فخر ملت-ایک عظیم دینی وملی شخصیت

صادق علی قادری علیمی مصباحی

فخر ملت حضرت علامہ مولانا نور الہدیٰ مصباحی آسمان علم فضل کے ایک نیر تاباں، گوناگوں خوبیوں اور متعدّد عمدہ خصائل وعادات کے حامل ایک زندہ دل قلندر نما انسان تھے۔آپ کی قلندری میں شان سکندری کے جوہر تھے، دنیا اور معاملات دنیا سے بظاہر نا آشنا ہوتے ہوئے بھی تمام تر احوال کی خبر رکھتے تھے، اللہ رب العزت نے آپ کے سینے میں قوم وملت کے درد کا مداوا اور ان کے مفاسد کی اصلاح کے لیے تڑپنے والا دل رکھا تھا، افضل کلمہ قول حق کہنے کے عادی تھے، اور اس وصف میں تو آپ خود اپنی مثال آپ تھے جانبداری سے آزاد ہمیشہ وہی کہتے تھے جسے اپنی صوابدید کے مطابق حق جانتے تھے، اگر چہ مخاطب وقتی طور پر ناراض ہی کیوں نہ ہوجائے، اور ان سب سے بڑھ کر سب سے اعلیٰ خوبی آپ کی ذات میں آپ کی للّٰہیت اور غایت درجہ اخلاص تھا، آپ نے اپنی زندگی کا مقصد دنیا سے پرے خالص رضائے مولیٰ ورسول کے حصول میں گم کر دیا تھا، غالباً یہی وجہ تھی کہ کسی بھی محل میں آپ کو حق گوئی بے باکی میں تامل نہ تھا۔اس لیے کہ حق گوئی وبے باکی کی ایسی خوبی اسی ذات میں ہوسکتی ہے جس کا مطمح دنیاوی مال ومتاع اور جاہ ومنصب کے حصول کے علاوہ ہو۔الغرض آپ کی ذات قوم وملت کے حق میں مثل ان مقدس شخصیات کے تھی جن کی وفات پورے عالم کی موت سے تعبیر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی ناگہانی وفات نے نہ صرف یہ کہ عوام الناس کو قلق واضطراب میں مبتلا کیا بلکہ طبقۂ خواص کی ایک بڑی تعداد کو بھی سوگوار کیا، ہر صاحب علم نے آپ کی وفات پر حیف جتایا اور اسے ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی خسارہ قرار دیا۔مولیٰ تعالیٰ قوم کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔آمین

علمی مقام ومنصب:۔ہند وبیرون ہند میں ایک ذی استعداد ،صاحب فکر ونظر، فن حدیث اور علوم فقہ وافتا میں مضبوط گرفت رکھنے والے ایک بافیض عالم دین کی حیثیت سے آپ کا شہرہ تھا، جس کسی نے آپ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا وہ آپ کی زلفوں کا اسیر اور آپ کی خداداد علمی وفنی لیاقت وصلاحیت کا قائل ہوگیا۔یہ آپ کا علمی شہرہ ہی تھا کہ آپ کے مدرسہ میں داخل طلبا کے علاوہ دور دراز جگہوں سے بھی متلاشیان علم وفیض آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر شرف شاگردی حاصل کیا کرتے تھے، نیز آپ کے علمی وزن کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے علاقہ کے سب سے جید اور بزرگ عالم دین، جنھوں نے دھرم سنگھوا واطراف ک علاقوں کو سنیت عطا کی، بے شمار علما فضلا دیے تلمیذ رشید حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ حضرت علامہ الحاج علی احمد بسمل عزیزی بھی بعض مہمات امور میں آپ ہی کی ذات پر اعتماد فرماتے تھے۔

شبانہ روز کی مصروفیات:۔درس وتدریس کے علاوہ آپ کے اوقات دو قسم کی مصروفیات پر منقسم تھے، ایک حصہ ملک کے نامور اور بلند پایہ علما ومشائخ سے فون پر رابطہ کر کے اہل سنت وجماعت کی شیرازہ بندی اور جماعتی مصالح وضروریات کی حصول یابی کو یقینی بنانے کے لیے جد جہد کرنے کے ساتھ خاص تھا جبکہ دوسرا حصہ کار کتب بینی سے متعلق تھا، کتابوں کے مطالعہ سے آپ کو خاصہ شغف تھا، بلا ناغہ رات کے ایک دو بجے یا پھر اس سے بھی زائد حصے تک مطالعہ فرمایا کرتے تھے اور باوجود اس کے کہ آپ کی صحت میں دن بدن گراوٹ رہی تادم حیات کتابوں کی مصاحبت میں شب زندہ داری کا عمل ترک نہ فرمایا۔اس مقام پر آکر بہت ہی احسان فراموشی ہوگی اگر دھرم سنگھوا کی ”حافظ ملت لائبریری“ کے حوالے سے آپ کا ذکر نہ کیا جائے:

دینی تعلیم حاصل کرنے والے چند طلبا کی تحریک پر اس لائبریری کا قیام عمل میں آیا تھا، اور آج بفضلہ تعالیٰ یہ لائبریری دھرم سنگھوا واطراف کے علما کی تقریباً ضروریات پوری کرتی ہے۔معظم کتب فتاویٰ بحر العلوم سے فتاوی رضویہ ،شامی وعالمگیری تک ،شروح صحاح ،کتب وشرحات درس نظامی، تفسیر وتاریخ، سیر وسوانح اور متفرق موضوعات سے متعلق بے شمار کتابوں پر مشتمل یہ لائبریری بھی تقریباً حضرت ہی کی مرہون منت، آپ ہی کی شبانہ روز کی تگ ودو اور غیر معمولی جد جہد کا نتیجہ ہے۔مولیٰ تعالیٰ ہم تمام ممبران لائبریری کی جانب سے حضرت کو اجر جزیل عطا فرمائے اور اس کی کتابوں کو حضرت کے لیے بہترین

صدقہ جاریہ بنائے۔ امین

آپ کا اخلاق:۔ آپ ظاہر و باطن یکساں رکھنے والے، اخلاق و کردار کے نہایت پختہ اور دھنی انسان تھے۔ غیر اخلاقی کردار ادا کرنا آپ کی کتاب ہستی سے خارج نصاب تھا، فرمان رسول ﷺ کے تناظر میں چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت و تکریم کرنا آپ کی زندگی کا ایک لازمی عنصر تھا۔ اصاغر نوازی آپ کی ذات کا ایک امتیازی وصف تھا۔ ہر ایک کو عزت و شرف دینا آپ کی زندگی کا معیار تھا۔ ہر چھوٹے بڑے پر سلام میں پہل فرماتے تھے، چند علما یا طلبا کے لیے عموماً "نورانی قافلہ" کا جملہ استعمال فرماتے تھے۔ ہر ایک طلب علم پر توجہ دیتے تھے اور ہر ایک کو طلب علم میں محنت و مشقت کرنے کی حتی الوسع ترغیب دلاتے تھے۔ بالخصوص مجھ ناچیز پر تو اس قدر آپ کے احسانات و نوازشات ہیں جنھیں میں الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر ہوں۔ ایک شاگرد ہونے کی حیثیت سے آپ کی ذات سے مجھے گہری عقیدت، گہرا لگاؤ اور ربط حاصل تھا، آپ میرے ان محسنین میں تھے جن کے احسانوں کا بدلہ میں تادم حیات ادا کرنے سے عاجز ہوں۔ آپ نے میری کسی بھی ضرورت کو ہمیشہ کہنے سے پہلے سمجھا تھا۔ اور ضرورت کے لیے حتی المقدور کوشش فرماتی تھی اور کبھی بھی اعراض و پہلوتہی سے کام نہ لیا تھا۔ جب کبھی ملاقات کرتا تھا تو نہایت کشادہ ظرفی سے عزت افزئی فرمایا کرتے تھے۔ ہاتھوں کا بوسہ لینے کے لیے جھکتا تو ایک دست شفقت میری پیٹھ پر یا میرے سر پر ڈال دیتے اور دوسرا ہاتھ کھینچتے ہوئے مسکرا کر فرماتے تھے "بند کریں یار کب تک یوں دست بوسی کرتے رہیں گے" کبھی ایسا ہوتا کہ میں حضرت کی بارگاہ میں ایسے وقت پہنچتا تھا جب آپ اپنے نجی معاملات میں الجھے ہوتے تھے، چہرے پر غم غصہ کے اثار ہوتے ایک لمحہ کے لیے غلط وقت کی حاضری سے دل کانپ اٹھتا، گردن جھک جاتی اور قدم پیچھے ہٹنے لگتے، لیکن پھر دوسرے ہی لمحہ میں حضرت مسکرا دیتے اور فرماتے آئیں مولانا تشریف لائیں، کیسے زحمت فرمائی؟ وغیرہ "معمول کے مطابق ہر روز یا پھر بیشتر ایام بعد نماز عصر تسبیح کرتے ہوئے عامۃ المسلمین کی ارواح کو ایصال ثواب کرنے کے لیے عام قبرستان تشریف لے جاتے، کبھی طبیعت ناساز ہوتی تو آدھے راستہ ہی سے ایصال ثواب کر کے لوٹ آتے یہ عمل بھی میں نے حضرت ہی سے سیکھا تھا کہ دن میں جس قدر بھی پڑھا یا پڑھایا جائے شام کے وقت ان سب کا ثواب اپنے اساتذہ و محسنین اقربا و عامۃ المسلمین کی ارواح کو نذر کر دینا چاہیے۔ الغرض آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک مشفق باپ کی طرح مجھ پر مہربان تھے، ہمیشہ بیش بہا قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے، لکھنے پڑھنے بکثرت مطالعہ کرنے، دین کے لیے اخلاص اور سچا درد پیدا کرنے کا جذبہ دلاتے رہتے تھے۔ ***

مولانا نور الہدیٰ مصباحی اور ان کی تدریسی خدمات

مولانا علی احمد بسمل عزیزی

مولانا نور الہدیٰ کے آباء و اجداد موجودہ ضلع سنت کبیر نگر کے جانب شمال تقریباً ۱۵ر کلومیٹر کی مسافت پر واقع گاؤں بھیڑاری کے رہنے والے تھے جو بگھولی بلاک بکھرا کے قریب ہے۔ ۱۹۵۰ء میں جب وہاں کے ہندو بلوائیوں نے بھیڑاری کے مسلمانوں کے گھروں پر گئوکشی کے الزام میں دھاوا بول دیا اور لوٹ مار، قتل و غارت گری پر آمادہ ہوگئے تو وہاں کے کمزور مسلمان اپنی جان بچا کر بھاگ گئے اور آئندہ بھیڑاری نہ جانے کا عزم مصمم کر لیا۔ آس پاس کے مسلم علاقوں میں جس سے جہاں بن پڑا آباد ہو گئے۔ بھیڑاری گاؤں پورے طور پر مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ مولانا نور الہدیٰ مصباحی کے دادا بھی بھیڑاری سے دھرم سنگھواں اپنی سسرال آ گئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

نقل مکانی کر کے کسی نئی جگہ قدم جمانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن محی الدین مرحوم اپنی محنت سے بہت جلد قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے۔

مولانا نور الہدیٰ مصباحی، محی الدین مرحوم کے بڑے لڑکے عین اللہ مرحوم کی اولاد سے ہیں۔ ان کی تاریخ پیدائش: ۱۸ر اپریل ۱۹۷۱ء ہے۔ درجۂ پرائمری سے جماعت ثانیہ تک میرے پاس پڑھا۔ مولانا پڑھنے میں ذہین تھے۔ ثالثہ اور رابعہ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی میں مکمل کیا۔ بعدہٗ ۱۹۸۹ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۲ء میں فضیلت کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد کچھ دنوں فیض آباد کے کسی مدرسہ میں اور چند ماہ بعد جامع مسجد تتری بازار سدھارتھ نگر میں دینی ضرورت کے تحت خطیب و امام رہے۔ چند مہینوں بعد دارالعلوم امام احمد رضا رتناگیری مہاراشٹر چلے گئے۔ اسی اثنا ان کے والد عین اللہ کو ہارٹ اٹیک ہوا۔ اور وہ اللہ کے پیارے ہو گئے۔

مولانا نے گھر میں بھائیوں اور بہنوں میں سب سے بڑے ہونے کے ناطے گھر کا سارا بوجھ اپنے سر لے لیا۔ ازراہ ہمدردی ۱۹۹۵ء میں میں نے انھیں اپنے دارالعلوم احمدیہ معراج العلوم دھرم سنگھوا میں نائب عالیہ کے عہدہ پر شریک تدریس کر لیا۔ ان کی محنت اور صلاحیت کو دیکھتے ہوئے سادسہ تک کی اہم کتابیں ان کے سپرد کر دی گئیں۔ طلبا کو بہت محنت اور لگن سے پڑھاتے تھے، مولانا موصوف آزاد مزاج، بے باک طبیعت کے مالک تھے۔ تنقید برائے اصلاح ان کی جبلت ثانیہ بن گئی تھی۔ اساتذۂ معراج العلوم سمیت دیگر اکابر علما کی کافی قدر کرتے تھے۔ جب کبھی مجھے بہت غصے میں دیکھتے تو کہہ دیتے آپ جو بھی کہیں یا ماریں مجھے کوئی ملال نہیں کیوں کہ آپ میرے دادا بھی ہوتے ہیں اور استاذ بھی۔ اس جملے سے نہ صرف میرا غصہ سرد ہو جاتا بلکہ بعض اوقات ہنسی بھی آ جاتی تھی۔

وفات کے دن کچھ لوگ میرے پاس بیٹھے تھے اسی درمیان ایک لڑکے نے ان کے انتقال کی جانکاہ خبر سنائی۔ جس سے مجھے شارٹ سا لگ گیا اور کچھ دیر تک پورے ماحول پر سناٹا چھا گیا۔

رب کریم ان کی مغفرت فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے۔

****

مولانا نورالہدیٰ مصباحی، کچھ یادیں کچھ باتیں

محب احمد قادری علیمی

یوں تو دنیا میں ہر آنے والے کو ایک نہ ایک دن جانا ہے لیکن کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے کا غم صرف اہل قرابت کو ہوتا ہے اور کچھ خوش نصیب افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے کا غم نہ صرف اپنوں کو ہوتا ہے بلکہ غیر بھی ان کے سانحۂ ارتحال کو برداشت نہیں کرپاتے اور اگر ان خوش نصیب جانے والوں میں کوئی عالم دین ہو تو مزید اس کے جانے سے ایک عالم اضطراب کا شکار ہوجاتا ہے۔ سچ ہے: موت العالِم موت العالَم

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کیلئے

بلا شبہ انہیں بخت آور لوگوں میں ایک ذات حضرت مولانا نورالہدیٰ مصباحی علیہ الرحمہ کی بھی تھی جن کے اچانک سانحۂ ارتحال کو دل کسی بھی طرح قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا؛ مگر قانون فطرت کو تسلیم کرنا ہی شان بندگی ہے۔

مولانا مرحوم سے میری شناسائی تقریبًا ایک دہائی سے تھی اور وہ مجھ سے علم وفضل اور عمر میں کافی بڑے تھے لیکن بات چیت اور ملاقات سے کبھی بڑکپن ظاہر نہ ہونے دیتے بلکہ ہمیشہ تواضع وانکسار کو ہی مقدم رکھتے۔ مجھے ان کے انکسار کا وہ واقعہ نہیں بھولتا کہ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر وہ ضرور تشریف لاتے اور پہلے ہی سے فون سے کہہ دیتے کہ میں بیمار آدمی ہوں دوا کھاتا ہوں مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہوگی اس لئے میرے کھانے کا انتظام کرلیجئے گا۔ عموماً میں ان کیلئے ٹفن میں کھانا الگ سے رکھوادیا کرتا۔ کوئی دو سال پہلے سالانہ جلسہ میں کچھ پہلے ہی آگئے اور ابھی مہمانوں کے کھلانے کا انتظام کیا ہی جارہا تھا اور میں نے ایک طالب علم سے کھانے کیلئے پہلے ہی کہہ رکھا تھا لیکن مرحوم میرے کمرے میں آئے، دیکھا ٹفن خالی ہے تو خود ہی ٹفن لے کر وہاں پہونچ گئے جہاں مہمانوں کے کھانے کا انتظام تھا اور کہا کہ فلاں صاحب کا کھانا دے دیجئے اور لاکر کمرے میں کھانے لگے۔ میں کمرے میں آیا تو مجھے ہنسی آگئی میں نے کہا حضرت! یہ آپ نے کیا کیا، طالب علم کھانا لاتا آپ نے کیوں زحمت اٹھائی۔ تو برجستہ کہا کہ میں بھی تو یہاں کا طالب علم رہ چکا ہوں، کہاں میری شان گھٹ جائے گی۔

مولانا مرحوم حساس طبیعت اور نرم دل ہونے کے ساتھ جذبۂ ہمدردی اور غمگساری سے بھی سرشار تھے اگر انہیں پتہ چل جاتا کہ طبیعت خراب ہے یا گھر کا کوئی فرد بیمار ہے تو نہ صرف فون سے ہمدردی جتاتے بلکہ اگر ممکن ہوتا تو گھر پہنچ کر مزاج پرسی اور عیادت کو اپنا فرض سمجھتے۔ اس ضمن میں ان کے دو واقعات آج بھی میرے ذہن میں گردش کررہے ہیں۔ ایک تو جب میرے محسن وکرم فرما، حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی کا بستی میں اپینڈس کا آپریشن ہوا اور حضرت آپریشن کے بعد تیزی سے روبہ صحت تھے مگر اسپتال میں ہی تھے، مرحوم کو معلوم ہوا تو فون سے ہر گھنٹہ دو گھنٹہ پر خیریت دریافت کرتے رہے اور حضرت سے اسپتال آنے کی خواہش ظاہر کی؛ لیکن حضرت نے منع فرمادیا کہ کیا آئیں گے، بلاوجہ پیسہ خرچ ہوگا اور آپ اس وقت مالی بحران کا شکار ہیں، اس وقت تو مان گئے لیکن حضرت سے گہری عقیدت اور جذبۂ ہمدردی نے آپ کو بیٹھنے نہ دیا اور بغیر کسی کو بتائے اسپتال پہنچ گئے اور کہا کہ اب میرے دل کو سکون حاصل ہوگیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ تقریبًا تین سال پہلے سردیوں کے ایام میں میری والدہ سخت بیمار تھیں اسی اثنا اُن کا فون آیا تو میں نے دعا کی درخواست کی، اُس کے بعد وقفے وقفے سے خیریت دریافت کرتے رہے اور دعاے صحت بھی کرتے رہے۔ دوسرے روز والدہ کی طبیعت میں کچھ حد تک افاقہ ہوچکا تھا اور میں دھوپ کھانے کی غرض سے چھت پر تھا موصوف نے فون کیا اور والدہ کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا قدرے بہتر ہے۔ کہنے لگے آپ کہاں ہیں۔ میں نے کہا گھر پہ ہوں اور کہاں رہوں گا۔ کہنے لگے لگتا ہے مہمانوں کی کثرت عیادت کی وجہ سے گھر کے سارے در بند کر رکھے ہیں۔ میں نے از راہ مذاق کہا آپ مقام ولایت پر فائز ہوگئے ہیں کہ اپنے گھر پر بیٹھ کر ہمارے گھر کے دروازوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔ بولے مذاق نہیں کررہا ہوں، نیچے اتر کر دیکھیے، سارے دروازے بند ہیں یقین تو نہیں ہورہا تھا، لیکن پھر بھی نیچے آیا تو دیکھا کہ اندر سے دروازے بھیڑے ہوئے ہیں اور جناب برآمدے میں اپنی اہلیہ کے ساتھ کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ سلام ومصافحہ کے بعد مہمان خانہ کھولا گیا، ناشتہ کے بعد میں نے کہا کہ ناگہانی کیسے ورود مسعود ہوگیا؟ کہنے لگے فون پر عیادت سے تسکین نہیں ہورہی تھی اس لئے آپ کو بتائے بغیر چل پڑا۔

استاذ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی

مرحوم کے اور میرے کچھ خانگی مسائل میں قدرے اشتراک ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی کھل کر اپنے حالات بیان کرتے اور بیان کرتے کرتے کبھی کبھی آب دیدہ بھی ہوجاتے؛ لیکن پھر دوسرے لمحہ اپنے کو سنبھال لیتے اور اپنی فطرت کے مطابق ہنسی مذاق کی باتیں کرکے خود کو بھی تسلی دیتے اور میرا بھی غم غلط کرنے کی کوشش کرتے اور اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ آپ کو فون کرنے کا مقصد ایک تو اپنے دل کی بھڑاس نکالنا اور دوسرے اپنے تجربات سے آپ کو تسکین دینا ہوتا ہے۔

موصوف کے نمایاں اوصاف میں ایک وصف مہمان نوازی کا بھی تھا اگرچہ مادی طور پر اکثر پریشان رہا کرتے تھے لیکن مہمانوں کی ضیافت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، بڑی پُر تکلف دعوت کرتے تھے۔ اس تعلق سے جو خاص بات میں نے نوٹ کی وہ یہ ہے کہ دعوت دے کر بے نیاز نہیں ہوتے بلکہ دعوت والے دن تو ہر گھنٹے پر رابطہ کرنا اور پوچھنا کہ چلے کہ نہیں، کہاں پہونچے، کوئی تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے اور پہنچنے پر پر تپاک انداز میں خندہ پیشانی اور بشاشت سے استقبال کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا اور پھر رخصت کرنے کے وقت گھر سے نکل کر روڈ تک آتے اور جب تک گھر پہنچنے کی اطلاع ان کو نہ دے دیتے خود ہی فون کیا کرتے۔

مرحوم آج ہمارے درمیان نہیں لیکن ان کی عادات واطوار اور ٹیلی فونی گفتگو کا انداز بے باکی اور حق گوئی کے ساتھ اپنی بات رکھنے کا مزاح آمیز ہنر آج بھی دل ودماغ پر چھایا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ان کا فون آئے گا اور دو چند جملے سنا کر طبیعت کو فرحت وانبساط عطا کریں گے۔

مولانا مصباحی دل کے بڑے صاف تھے جو زبان پر وہی دل میں۔ اگر کسی سے کوئی تلخی ہوئی تو وہ عارضی ہوتی دو چار دن فون نہیں کرتے لگتا کہ ناراض ہوگئے ہیں لیکن کچھ دن گزرنے کے بعد خود ہی پہل کرکے فون کرتے اور معذرت کرتے۔ کچھ لوگوں سے تو فون پر برابر نونک جھونک ہوتی رہتی جب بھی فون کرتے فخر صحافت حضرت قاری نور الہدیٰ صاحب مصباحی کی خدمات اور ان کی دینی وتبلیغی سرگرمیوں کے تعلق سے دو چار جملے ضرور سناتے حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی اور برادر مکرم حضرت علامہ حافظ سراج احمد مصباحی خطیب وامام مدینہ مسجد کیرلٹن ٹیکساس امریکہ کی خیریت ضرور دریافت کرتے، کیا پتا تھا اپنی پریشانیوں اور تکلیف سے پرے ہوکر دوسروں کی پریشانی اور غم میں شریک ہونے والا، خود رو کر دوسروں کو ہنسانے والا مخلص وکرم فرما دوست اتنی جلدی داغ مفارقت دے جائے گا خود تو چلے گئے لیکن اپنے پیچھے والدہ، بیوی، بچے اور دوستوں سے بھرا ہوا ایک شہر ویران چھوڑ گئے۔

آہ! مولانا نور الہدیٰ مصباحی

از: مولانا سراج احمد مصباحی

خوش مزاج، بے تکلف اور دیرینہ رفیق، فخر ملت مولانا نور الہدیٰ مصباحی نور اللہ مرقدہٗ کی رحلت کی خبر جیسے ہی ملی تو ایسا لگا کہ پورے جسم میں ایک بجلی سی کوند گئی، اور دل ودماغ کسی طرح ان کی موت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ہندوستان کے دیگر احباب کو فون کرکے تصدیق کی تو خبر صحیح ملی۔ دیر تک ان کی شخصیت کے مختلف نقوش نگاہوں میں گردش کرتے رہے۔ موصوف سے زمانۂ طالب علمی سے لگاو تھا۔ مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں اگرچہ وہ مجھ سے سینئر تھے لیکن ظرافت اور شگفتہ مزاجی کی وجہ سے کافی بے تکلف تھے، اسی وقت سے میرے گھر سسوا بازار ان کا آنا جانا تھا، جب بھی میں ہندوستان جاتا، ملنے کے لیے گھر پر ضرور تشریف لاتے۔ اور پھر منع کرنے کے باوجود اپنے گھر پر دعوت کا اہتمام کرتے۔ ابھی گزشتہ سال دسمبر کی سخت ٹھنڈک اور کہرے میں دعوت کے موقع پر جس خلوص اور گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا، اس کی حرارت ابھی تک محسوس کر رہا ہوں۔ یہاں کی مصروفیات اور انڈیا وامریکہ کے وقت میں رات اور دن کا فرق ہونے کی وجہ سے جب زیادہ دنوں تک فون پر بات نہیں ہوتی تو دوسرے لوگوں سے شکایت کرتے اور سفارش بھی کرتے کہ فون آنے پر کہہ دیجیے گا کہ مجھ غریب کو بھی یاد کر لیا کریں۔ جب کبھی فون پر بات ہوتی تو گھنٹوں باتیں کرتے۔ عائلی امور پر تو بات کرتے ہی، دینی، ملی، سماجی اور جماعتی مسائل پر سیر حاصل گفتگو کرتے۔ اور یہاں امریکہ میں اسلام وسنیت کی نشر واشاعت کے حوالے سے آنے والی دشواریوں کی تفصیل جاننے کی کوشش کرتے۔ جب کسی امریکی غیر مسلم کے اسلام قبول کرنے کا ذکر کرتا تو بہت خوش ہوتے، دعائیں دیتے، حوصلہ افزا کلمات سے نوازتے، اور انڈیا میں لوگوں سے بیان کرتے کہ امریکہ میں بھی ازہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا ایک لائق فرزند، جماعت کو سرخروئی عطا کرتے ہوئے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی روح کو خوش کر رہا ہے۔ بہت ساری باتوں پر تنقید بھی کرتے، مگر وہ تنقید اصلاح کا پہلو لیے ہوتی۔ ایک بات کا مجھے زندگی بھر قلق رہے گا کہ مرحوم کے انتقال سے ایک روز پہلے فون کیا، فون ریسیو تو کیا لیکن کسی وجہ سے بات نہ ہو سکی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند فرما کر اپنی کشادہ جنت کو ان کا مسکن بنائے۔ اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اتحاد اہل سنت میں فخر ملت کی کاوشیں

فیاض احمد مصباحی شراوستی

عصر حاضر میں ہم اہل سنت ایک نازک موڑ پر کھڑے ہیں، جہاں ہمارے سامنے کئی بڑے بڑے چیلنجز ہیں اور باہمی اختلاف و انتشار کی وجہ سے دن بدن کمزور ہوتے جا رہے اور دوسری طرف فرقہائے باطلہ نے ہمارے خلاف کمر کس لی ہے اور اس مقصد کے لیے مشرق و مغرب میں رہنے والے روایتی حریف ورقیب بھی ایک دوسرے سے ہاتھ ملا چکے ہیں، خود ہمارے ملک میں جن لوگوں کو دریا کے دو کنارے کہا جاتا تھا انہوں نے بھی ہمارے مقابلہ میں اپنے فاصلے ختم کر لیے ہیں، ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے دو باتیں نہایت ضروری ہیں، ایک اتحاد واتفاق، دوسری حکمت وتدبیر۔

اتحاد واتفاق کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امت میں کوئی اختلاف ہی باقی نہ رہے، اختلاف رائے پہلے بھی رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا اور اس کے باقی رہنے ہی میں خیر ہے، لیکن اختلافِ فکر نہ اتحاد عمل میں مانع ہے، نہ باہمی توقیر واحترام میں، اگر ہم نے اس بات کو نہیں سمجھا تو یہ ایسی بدبختی کی بات ہوگی کہ شاید اس کی تلافی ممکن نہ ہو اور تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ ہمارے درمیان باہمی اختلاف زیادہ تر عملی احکام میں ہیں، لیکن جو لوگ اہل سنت وجماعت کی راہ سے منحرف ہوں ان کو بھی کافر کہنے میں سلف صالحین نے بہت احتیاط برتی ہے۔

فخر ملت حضرت علامہ نور الہدی مصباحی علیہ الرحمہ ماضی کی تاریخ اور موجودہ وقت کے زمینی حقائق سے بخوبی واقف تھے اور آپ نے اس خطرہ کو بھانپ لیا تھا؛ اس لیے اتحاد اہل سنت میں ہمیشہ لگے رہے اور اختلافی صورتحال میں فریقین سے براہ راست رابطہ کر کے اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ تمام مشائخ عظام اور اکابر واصاغر علمائے کرام سے اچھے رابطے تھے اور آپ بارہا نجی مجالس میں کہا کرتے تھے کہ اتحاد اہل سنت میں اکابر علمائے کرام اور مشائخ عظام کی سرپرستی میں نوجوان علمائے کرام بنیادی اور اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور عوام اہل سنت کی تعمیر و ترقی میں چار چاند لگا سکتے ہیں لہٰذا اگر ہمارے مشائخ اور علمائے کرام اس طرف متوجہ ہوئے تو ہمارا معاشرہ بہت جلد امن کا گہوارہ بن جائے گا اور کچھ نکات بھی بارہا پیش کرتے تھے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اتحاد واتفاق کے بیانیہ کو خطبات جمعہ، تقاریر اور درس و تدریس کا حصہ بنائیں۔

(۲) بحیثیت مبلغ و داعی، اتحاد اہل سنت کے فروغ کے لیے بذات خود عوام میں مختلف سرگرمیوں کا انعقاد کریں۔

(۳) شدت پسند عناصر کی جانب سے بطور دلیل استعمال کی جانے والے مذہبی اصطلاحات اور فتاویٰ کی عصری تناظر میں تعبیر نو کی کوشش کریں۔

(۴) نہی عن المنکر اور کفر و گمراہی کے فتوی کی اصطلاحات کی تشریح کے لئے تمام دار الافتا کی جانب سے متفقہ تحقیقی و توضیحی مواد کی تیاری کی جائے اور پھر اس کو عام کیا جائے تاکہ اختلاف و انتشار کا سرچشمہ پہلے سے بند کیا جا سکے۔

(۵) اہم مسائل پر کسی ایک ہی عالم سے فتویٰ لینے کی بجائے تمام بڑے علمائے کرام مل بیٹھ کر اعلامیہ جاری کریں، شورائی تحقیق جس میں کسی ایک خانقاہ کی چھاپ نہ ہو، اس مسئلہ کا حل ہے۔

(۶) خانقاہوں اور مدارس کے مابین باہمی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوئی عملی صورت بنائیں جس میں دوسروں کے دلائل اور موقف سے براہ راست آگاہی ہو۔

(۷) عقیدے اور کلامی مباحث پر مناظروں سے حتی الامکان اجتناب کریں اور سنی مدارس کے طلبہ وعلما کے لیے ایک دوسرے کے یہاں آنے جانے کے مواقع پیدا کیے جائیں تاکہ باہمی الفت ومحبت کے راستے ہموار ہوں۔

(۸) ہر ایک خانقاہ یا مدرسہ اپنے نمائندہ علما پر مشتمل ایک متفقہ کونسل بنائے جو اس کے موقف کی وضاحت کرے اور اختلافات

دور کرنے میں معاون ثابت ہو۔ جو لٹریچر کسی خانقاہ کی معتبر شخصیات کی جانب سے اجتماعی حیثیت سے سامنے آیا ہو اس کا اعتبار کیا جائے، کسی ایک خانقاہ یا کسی ایک عالم کی اختلاف پر مبنی انفرادی راے یا قول کا اعتبار نہ کیا جائے۔

فخر ملت نور اللہ مرقدہٗ بہت بیباک اور حق گو تھے اور جو لوگ کسی طریقے سے اہل سنت و جماعت کا کام کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کرتے اور مزید خدمات کے لیے ابھارتے تھے اور فرمودات حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ ''اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت''، ''زمین کے اوپر کام اور زمین کے نیچے آرام'' پر عمل پیرا تھے، آپ کی تقریر و تحریر اس دعوی کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ آپ حق گوئی و بیباکی کو لازم پکڑے ہوئے تھے ایک مرتبہ راقم الحروف نے پوچھا کہ اس وجہ سے بہت سے لوگ آپ سے ناراض ہو جاتے ہیں تو کہنے لگے کہ ہم سچ اور حق بولنے کے عادی ہیں اور ہم اپنی عادت نہیں بدل سکتے ہیں اور تملق اور خاموشی کی وجہ سے اختلاف و انتشار پھیلانے والوں کے حوصلے بلند ہوتے جا رہے، اگر بروقت جواب نہیں دیا گیا تو یہ لوگ جری ہو جائیں گے اور حق گوئی اور کام کرنے سے اتحاد و اتفاق کی راہیں ہموار ہوں گی۔ اہل سنت کی زبوں حالی، جہالت کی تاریکی اور بدعقیدگی و بے حیائی دیکھ کر مضطرب ہو جاتے تھے، طبیعت میں سادگی، چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت، اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ اپنائیت کا مظاہرہ کرتے، اپنے ہم عصر تمام علماے کرام اور مشائخ عظام سے گہرے روابط تھے۔

اللہ تعالی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل آپ کی روح کو ابدی سکون عطا فرمائے۔ ❋-❋-❋---

مولانا نور الهدی مصباحی کی موت عظیم سانحه

از: مورلانا فروغ احمد اعظمی مصباحی

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے، بقیہ سارا جہان فانی ہے۔ لیکن کسی کو نہیں معلوم کہ موت کب آجائے گی۔ ہمارے عزیز مولانا نورالہدیٰ مصباحی نظامی بھی اچانک عمر طبعی سے پہلے ہی داغ مفارقت دے گئے، عمر چوتھی دہائی سے کچھ متجاوز تھی، دیکھنے سننے میں کوئی مہلک بیماری بھی نہیں تھی۔ شوگر تھا وہی ہارٹ اٹیک کا باعث بن گیا ہوگا، موصوف نے زندگی کا سکھ کم پایا، تقریبًا اسی عمر میں ان کے والد صاحب کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ معاشی تنگی بہت تھی۔ بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ سب کی پرورش، تعلیم اور شادی بیاہ کی ذمہ داری اُن کے سر اچانک آگئی تھی، جسے انھوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ ہنستے کھیلتے نبھایا۔ طبیعت مرنجاں مرنج پائی تھی۔ مشکلات کے خوگر ہو گئے تھے۔ وہ اپنی پریشانیوں کا اظہار کبھی کبھی کر دیا کرتے تھے۔ مگر اس اظہار میں بھی شگفتہ مزاجی کا عنصر غالب ہوتا تھا۔ وہ اپنی پریشانی سے بظاہر نہ تو خود بہت دیر تک پریشان رہتے نہ دوسروں کو پریشان رکھتے تھے۔ وہ انتہائی ذہین اور مخلص انسان اور بہت با صلاحیت عالم دین تھے۔ مزاج ناقدانہ مگر مخلصانہ پایا تھا۔ بذلہ سنجی طبیت ثانیہ تھی پھر بھی باادب تھے۔ اپنے بڑوں کے ساتھ گفتگو میں طنز لطیف اور مودبانہ مزاح سے نہیں چوکتے تھے۔ ذہانت غضب کی تھی۔ بات دلیل سے کہتے تھے۔ اور ان کے بعض بعض ایرادات سے تو بعض بڑے بڑے لوگ عاجز اور لاجواب ہو جاتے تھے۔ اگر علمی اور تعلیمی ماحول ملا ہوتا تو شاید کچھ غیر معمولی کام کر گئے ہوتے۔ ان کی ناگہانی موت سے میں ہل گیا، وہ مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے لیکن مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ مجھے اتنا کیوں چاہتے تھے۔ ہاں! جامعہ اشرفیہ جانے سے پہلے کچھ سال علیمیہ میں بھی گزارے تھے۔ اخیر عمر میں رابطہ زیادہ رہتا تھا اور یہ رابطہ

بے کیفی میں ایک عجیب کیف پیدا کر دیتا تھا
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آخری دیدار خراج عقیدت اور گلہاے محبت پیش کرنے کے لیے جنازہ میں حاضری ہوئی، دعا کی اور میت کو کندھا دیا، اس وقت فرط محبت سے دل اور آنکھ کو قابو میں رکھنا مشکل ہو گیا تھا، کہ میرے ناتواں کندھے پر آج اس کا لاشہ ہے جس کے کندھے پر میرا لاشہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن رب کی مرضی ع

الوداع الوداع اے جان والے الوداع

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

غیاث الدین احمد عارف مصباحی

۲۷/اکتوبر ۲۰۱۷ عیسوی/ ۶ صفر المظفر ۱۴۳۹ ہجری جمعہ کا دن صرف ہمارے ہی لیے نہیں بلکہ تمام ہمدردان امت مسلمہ کے ایک غم ناک اور جانکاہ دن تھا جب یہ خبر ملی کہ قوم مسلم کی ہمہ وقت فکر رکھنے والے، اپنے دل میں اہل سنت و جماعت کے لیے بے انتہا درد رکھنے والے، خوش اخلاق، ملنسار، ہردل عزیز، مفکر ملت مولانا نورالہدیٰ مصباحی نظامی (نوراللہ مرقدہ) اپنے مالک حقیقی سے جاملے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ کے لیے شنبہ کے دن کا اعلان ہوا، میں بھی اپنے ادارے کے پرنسپل مولانا سید علی نظامی اور دیگر اساتذہ کے ہمراہ ان کے آخری سفر میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے ان کے آبائی وطن دھرم سنگھوا کے لیے روانہ ہوا، میرا خیال تھا کہ جنازے میں کچھ خاص احباب اور علاقائی علما و عوام کی ہی شرکت ہوگی ، لیکن وہاں پہنچنے کے بعد جو نظارا نگاہوں کے سامنے تھا وہ قابل رشک تھا ، عوام کے علاوہ بڑے بڑے جید علمائے کرام، مفتیان عظام کا ایک عظیم قافلہ وہاں جلوہ بار تھا، یوں لگتا تھا کہ عوام الناس خصوصاً علمائے کرام کا ایک سمندر ہی امنڈ آیا ہو۔

مولانا مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دیدار کے لیے اس قدر علما اور عوام کا جو سیلاب امنڈ آیا تھا یقیناً یہ اللہ پاک کا کرم تھا اس کے علاوہ کچھ اور خاص وجوہات تھیں، جو میرے احساس کے مطابق جسے میں نے گزشتہ کئی سالوں سے ان کے اندر محسوس کیا وہ یہ تھیں: وہ مسلک اہل سنت کے سچے ہمدرد تھے۔ ان کا دل اور زبان یکساں تھا۔ ان کو کسی سے کوئی گلہ شکوہ ہوتا تو دوسروں سے کہنے کے بجائے خود اسی سے کہنے کے عادی تھے۔ اہل سنت و جماعت کا کوئی عالم دین خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اگر کوئی دینی کام کرتا تو اس کی حوصلہ افزائی ضرور کرتے۔ حق بات کہنے میں کوئی باک نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے تڑپتے تھے۔ میری پہلے سے ان سے کوئی شناسائی نہیں تھی۔ غالباً ۲۰۰۴ء کی بات ہے کہ ضلع سدھارتھ نگر سے نکلنے والے ''امام احمد رضا میگزین'' میں میرا ایک مضمون شائع ہوا، جس کا عنوان تھا ''شوہروں سے ایک بات'' جسے انھوں نے پڑھا، شاید انھیں پسند آیا۔ تو انھوں نے رسالہ کے ایڈیٹر سے میرا نمبر لیا، اور کال کر کے بہت حوصلہ افزائی فرمائی۔ پھر تعلقات کا سلسلہ دراز ہوا تو تادم حیات رہا۔ وہ غلطی پر اصلاح فرماتے، کوئی کام پسند آتا تو تعریف کرتے، کبھی کوئی بات انھوں نے گھما پھرا کر نہیں کہی۔ ہر بات بالکل سیدھی سیدھی کرتے، اور ان کی یہی ادا مجھے بہت پسند تھی جو ان سے رابطہ مضبوط رکھنے کا اہم سبب تھی۔

ماضی کی تمام تر یادیں آج ہمارے غم زدہ دل و جگر سے ہوتی ہوئیں آنکھوں کے راستے بہ پڑنے کو مجبور تھیں۔ مگر ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کی خاموش زبان یہ کہہ رہی ہو۔

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
جس کے جویاں تھے، ہے اس گل سے ملاقات کی رات

گویا وہ کہہ رہی تھی ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو! یہ بلند رتبہ علمائے کرام، یہ اکابرین امت، یہ عوام کا سیلاب، انھیں ہم نے تھوڑی بلایا ہے، انھیں تو رب نے بھیجا ہے۔

بعد نماز ظہر ان کا جسد خاکی آہوں اور ہچکیوں کی جگر پاش صداؤں اور نمناک آنکھوں کے ساتھ انتہائی پُر سوز ماحول میں مدرسہ معراج العلوم دھرم سنگھواں کے احاطے میں واقع قبرستان لے جایا گیا۔ بقیۃ السلف علامہ کبیر الحاج محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی، ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ہزاروں علما و عوام نے مرحوم کی نماز جناہ ادا کرنے کے بعد پُرنم آنکھوں سے انھیں سپرد خاک کیا، قل شریف کے بعد علامہ علی احمد بسمل عزیزی نے دعاے مغفرت کی، اور ہم اپنے اس محسن کو الوداع کہتے ہوئے اپنے احباب کے ساتھ لرزتے قدموں سے اپنے ادارے کے لیے رخصت ہوئے۔

منظومات

رضا کے وفادار نورالہدیٰ تھے

جو حق کے پرستار نورالہدیٰ تھے
ہاں باطل سے بیزار نورالہدیٰ تھے

یہ احباب میرے سبھی جانتے ہیں یہ
بہت میرے غمخوار نورالہدیٰ تھے

رفیقوں کے ہمراہ مہمان بن کر
مرے گھر میں اک بار نورالہدیٰ تھے

اٹھائے جنھوں نے بھی تھے دیں میں فتنے
بہت ان سے بیزار نورالہدیٰ تھے

دوا اس کے ہی پاس لینے کی خاطر
گئے جس کے بیمار نورالہدیٰ تھے

نہ کر پایا کوئی بھی گمراہ ان کو
سراپا سمجھ دار نورالہدیٰ تھے

جہاں بھی گئے بخشا نور ہدایت
کہ ایسے ضیابار نور الھدیٰ تھے

خدایا عطا کر انھیں باغ جنّت
ترے ہی طلبگار نور الھدیٰ تھے

بتاتی ہے گوہرؔ، یہی ان کی سیرت
رضا کے وفادار نورالہدیٰ تھے

آفتاب عالم گوہرؔ قادری واحدی، بارہ بنکی

پیکر تھا وہ خلوص کا عالی وقار تھا

ملت کا افتخار، نظامی بہار تھا
پیکر تھا وہ خلوص کا، عالی وقار تھا
مقبولِ عام و خاص تھا ملت کی شان تھا
منظورِ ہر نظر تھا، رِفاقت کی جان تھا
دینی تڑپ تھی درد تھا ملت کا بے گماں
وہ واقعی تھا حافظِ ملت کی اک جہاں
مسلک کا ترجمان تھا مذہب کا پاسبان
تھا قدر دان علم کا، فکر و نظر کی جان
تھا شخصیت کی ساز کی جھنکار دل پذیر
عزت بڑوں کی کرتا، تھا چھوٹوں کا دست گیر
کاوش تھی اِتحاد کی اہلِ سنن کے بیچ
چرچا تھا اس کی ذات کا ہر انجمن کے بیچ
عزت تھی اس کی علما، مشائخ کے درمیاں
بے باک تھا نڈر بھی تھا حق گو تھا حق بیاں
فضل خدا سے حق کا شناسا مزاج تھا
عرفان و آگہی کی دوا تھا علاج تھا
عرشی خیال تھا وہ، نظر دور بین تھی
اعلی ذہن تھا، اس کی فطانت حسین تھی
آنکھیں بہا رہی ہیں یقیناً جگر کا خون
ملتا نہیں ہے چین میسر نہ ہے سکون
بے "نور" بزم و محفلِ احباب ہوگئی
وہ کیف اور وہ مستی بھی نایاب ہوگئی
تبلیغ علمِ دینِ نبی، لا جواب ہے
اس کی حیات ایک مکمل کتاب ہے
آزہرؔ غمِ فراق سے ہستی نڈھال ہے
پرنم ہیں آنکھیں، چہرہ ابھی پرملال ہے

ازہر القادری، سدھارتھ نگر

ہے اندھیروں پر وہ بھاری آج بھی نور الہدیٰ

عادتیں وہ پیاری پیاری آج بھی نورالھدی
یاد آتی ہیں تمھاری آج بھی نور الھدی
اشرفیہ نے تمھیں بخشی جو علمی روشنی
ہے اندھیروں پر وہ بھاری آج بھی نورالھدی
قوم و ملت کو دکھاتی ہے یقینا راہ راست
وہ تمھاری دین داری آج بھی نور الھدی
کہنے کو تیرے عمل تو ہو گئے ہیں منقطع
پر ثواب اس کے ہیں جاری آج بھی نورالھدی
ہے ندیمؔ قادری کے وہ تری پیش نظر
عاجزی و انکساری آج بھی نورالھدی

ندیمؔ سلطانپوری

ترا غم ہے بسیار نور الہدیٰ

متین و ملنسار نور الھدی
شریف وخوش، اطوار نور الھدی
بڑے زندہ دل، خوش ادا، یار باش
رفاقت کے گلزار نور الھدی
ہمیں تیری رحلت کا غم ہے شدید
تجھے بخشے غفار، نور الھدی
ملے سب اعزہ کو صبرِ جمیل
ترا غم ہے بسیار، نور الھدی
تری قبر، بن جائے خلد بریں
ہو رحمت گُہر بار، نور الھدی
ملے خدمت دیں پہ اجرِ عظیم
لحد ہو چمن زار، نور الھدی
فریدیؔ کو تھا تجھ سے ملنے کا عزم
نہ ہوپایا دیدار نور الھدی

سلمان رضا فریدیؔ مصباحی، مسقط عمان